"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"
(المصلح الموعود)

مئی سنہ ۱۹۸۱ء

ایڈیٹر محمد الیاس منیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
فاستبقوا الخیرات

"تیری عاجزانہ راہیں اُس کو پسند آئیں"

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

جلد ۲۸ —— شمارہ ۷

ماہنامہ ربوہ

خالد

ہجرت ۱۳۶۰ہش مئی ۱۹۸۱ء

(ایڈیٹر)

محمد الیاس منیر

نائبین

اخلاق احمد انجم — منصور احمد عارف

محمود احمد اشرف — نعمت اللہ بشارت

الفہرست

پبلشر: مبارک احمد خالد — پرنٹر: سید عبدالحی
مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ —
مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ
قیمت سالانہ: ۱۵/ روپے — فی پرچہ: ڈیڑھ روپیہ

—— مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں ——

کتنی حسین تعلیم!

"انہیں پانی سے روکا نہ جائے"

رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاریخی فقرہ اُس وقت فرمایا تھا جب میدانِ بدر میں مسلمان کفار سے برسرِ پیکار تھے اور پانی کا چشمہ مسلمانوں کے پاس تھا۔ کفار پیاس کے مارے پانی کی تلاش میں اس چشمہ پر پہنچے، صحابہؓ نے جنگی تدبیر کے پیشِ نظر دشمن کو پانی سے روکنا چاہا تو رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت یہ برداشت نہ کر سکی اور بے اختیار فرمایا —— انہیں نہ روکو، پانی لینے دو۔

بظاہر تو یہ ایک فقرہ تھا —— لیکن فی الواقعہ انسانیت کے حق میں یہ رحمت کا وہ چشمہ تھا جو رحمۃٌ للعالمینؐ کے سینے سے پھوٹا اور پیاسی انسانیت اس سے سیراب ہوئی۔ سچ ہے ؎

آں ترحّما کہ خلق از وے بدید ٭ کس ندیدہ در جہاں از مادرے

پھر اُس کنچنی کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو، جس نے پیاس سے تڑپتے ہوئے ایک کُتّے کو اپنی جُوتی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکال کر پلایا تو اُس کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ خدا نے اُسے کہا جا تیرے سارے گناہ اس ایک کُتّے کو پانی پلانے کے بدلہ معاف کئے!

اور اُس بڑھیا کا واقعہ بھی سُنا ہو گا —— جس نے ایک بلّی کو باندھ کر بھوکا پیاسا رکھا اور وہ اسی وجہ سے مر گئی —— تو اس بڑھیا سے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے فرمایا —— یہ ظالم بڑھیا جہنمی ہے!

قارئینِ باتمکین! کتنی حسین تعلیم ہے جو دینِ حق نے دُنیا کے سامنے پیش کی ہے جس میں مسلمان تو مسلمان، کافر کو بھی پیاس کی اذیت دینے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے اور کافر تو پھر انسان ہوتا ہے —— ایک کُتّے، ایک بلّی، جو جانور ہیں کی بھی ایسی تکلیف ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہ تھی اور جہاں ایک بے زبان کی پیاس دُور کرنے والی کنچنی کی مغفرت کا علم دیا وہاں ایک بے زبان پر ظلم کرنے کی وجہ سے جہنّم کی سزا کی بھی خبر دی!!

خدا تعالیٰ کے نزدیک آج اسلام ہی دین ہے (خطبہ جمعہ کا خلاصہ اپنے الفاظ میں)

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ۱۰ اپریل ۱۹۸۱ء کو مسجد اقصیٰ ربوہ میں خطبہ جمعہ ارشاد

کرتے ہوئے آیہ کریمہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ پڑھی اور فرمایا کہ بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب دین صرف ایک ہی رہ گیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کہہ کر اس آیت میں پکارا ہے۔ اور کوئی اس کے علاوہ دین نہیں، کوئی ایسی ہدایت جو قرآن کریم سے متضاد ہو یا اس کے مخالف ہو یا اس سے مختلف ہو ایسی نہیں جو انسان کو ان راہوں کی طرف ہدایت دے سکے جو راہیں انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف لیجانے والی ہیں۔

آپ نے سورۃ الزمر کی آیت قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر انسان کو چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی خاطر اطاعت کو خالص کرتے ہوئے عبادت بجالائے اور آیت وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ کی روشنی میں فرمایا کہ وہ کوشش کرے کہ جتنی قوت اور استعداد خدا تعالیٰ نے اسے دی ہے اس دائرہ استعداد میں وہ جتنا اونچا جا سکتا ہے جائے اور کسی غفلت اور کوتاہی کے نتیجہ میں ایسا نہ ہو کہ جس مقام تک اللہ تعالیٰ کی عطا اُسے پہنچانا چاہتی ہے اُس مقام سے وہ نیچے گرا رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا اور ہر مخلص مسلمان کو کرنا چاہیئے اس میں فرمایا ہے کہ اگر میں نافرمانی کروں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کی طرف لیجانے والے راستہ کو چھوڑ دوں، اس کی بجائے دیگر راہوں کی تلاش میں لگا رہوں یا دیگر راہوں پر گامزن ہو جاؤں تو وہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف لیجانے والی نہیں ہوں گی۔

آپ نے سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۱۵ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ کے تحت فرمایا کہ کہہ میں اللہ کی عبادت اطاعت کو صرف اُسی سے وابستہ کرتے ہوئے کرتا ہوں اور اس راہ سے کسی خوف سے، کسی ڈر سے یا لالچ سے ادھر اُدھر نہیں جاؤنگا۔ حضور ایدہ اللہ نے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بار بار پڑھ کر واضح کیا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آج اسلام ہی دین ہے۔ اسلام کے علاوہ اور کوئی دین نہیں . . . .

زبردستی کرکے نماز نہیں چھڑا سکتی، روزے نہیں چھڑا سکتی، قرآن کریم کے سات سو احکام ہیں وہ نہیں چھڑا سکتی۔ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ جاں نثار جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فدائی ہے، آپ کی محبت میں زندگی گزار رہا ہے وہ کہتا ہے کہ میں اس راہ کو نہیں چھوڑوں گا جس راہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم نظر آتے ہیں۔

آپ نے آخر میں آیت وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ پڑھ کر فرمایا کہ جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین پسند کریں گے اپنے لئے یا دوسرے کے لئے وہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ نہیں اور وہ قیامت کے دن گھاٹے میں پڑنے والے ہیں۔ اسکے بعد حضور نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور فرمایا کہ یاد رکھو اس حقیقت سے دنیا کی لالچ یا ڈر اس مقام یا راہ سے ہمیں پرے نہیں ہٹا سکتا لیکن اپنی کوشش سے نہیں بلکہ اس کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ کے حضور عاجزانہ جھکے رہنا چاہیئے کہ اس کی مدد کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ذرہ ناچیز جو جوتی کے تلوے کے نیچے لگا ہوا ہے وہ بھی حیثیت ہماری نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی رحمت ہمارے شاملِ حال نہ

—درس—

احمدی جھوٹ نہیں بولتا

قرآن پاک

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (سورۃ الحج)

پس چاہیئے کہ تم بت پرستی کے شرک سے بچو اور جھوٹ بولنے سے بچو۔

حدیث شریف

اِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تم جھوٹ سے بچو حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ خدا کے حضور کذاب لکھا جاتا ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں :-

"قرآن شریف نے جھوٹ کو بھی ایک نجاست اور رجس قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ دیکھو یہاں جھوٹ کو بت کے بالمقابل رکھا ہے اور حقیقت میں جھوٹ بھی ایک بت ہی ہے، ورنہ کیوں سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے جیسے بت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹ کے نیچے بجز ملمع سازی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہاں تک کم ہو جاتا ہے کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔" (ملفوظات جلد ۳)

پھر فرمایا :- "یقیناً یاد رکھو جھوٹ جیسی کوئی منحوس چیز نہیں ..... جو شخص سچائی اختیار کریگا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ذلیل ہو اسلئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حفاظت جیسا اور کوئی محفوظ قلعہ اور حصار نہیں لیکن ادھوری بات فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔" (ملفوظات جلد ۸)

(جناب مرزا خلیل احمد صاحب - ربوہ)

خلافتِ حقّہ اسلامیّہ

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے چند مشہور انبیاءؑ کا ذکر کر کے اُن کے حالات بیان فرمائے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ انبیاءؑ کی وفات کے بعد اُن کے پیروکاروں کو کن حالات سے گزرنا پڑتا ہے اور وہ ان حالات کا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کا طریق کار بیان کرتے ہوئے اُمّتِ مُسلمہ کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر تم بحیثیتِ اُمّت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ اُمّتِ مُسلمہ میں گزشتہ اُمتوں کی طرح خلافت قائم فرمائے گا۔

وعدہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؀ (سورۃ النور)

ترجمہ:- اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اُن کو زمین میں خلیفہ بنا دے گا جس طرح سے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنا دیا تھا۔ اور جو دین اس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے وہ اُن کے لئے اُسے مضبوطی سے قائم کر دیگا اور اُن کے خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لئے امن کی حالت تبدیل کر دیگا۔ وہ میری عبادت کریں گے (اور) کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے۔ اور جو لوگ اسکے بعد بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دیئے جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام انبیاءؑ سے افضل اور خاتم النبیّین ہیں اور آپ کی اُمّت بھی آخری اُمّت ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے آپ کو پیش آمدہ حالات سے آگاہ فرمایا اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً صحابہؓ کو ان حالات سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ خیال اپنی اُمّت

کا تھا کہ میرے بعد اس کا کیا ہوگا اسلئے خدا تعالیٰ نے مذکورہ بالا وعدہ میں آپ کو یقین دلایا کہ آپ کے بعد خلافت قائم ہوگی۔ چنانچہ اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاریخی حقیقت اُمتِ مسلمہ کے سامنے ایک عظیم الشان بشارت کے رنگ میں پیش فرمائی کہ:۔

مَا كَانَت نبوّة قطّ إلّا تبعتها خلافة (الجامع الصغير)

یعنی ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں ایک زبردست حقیقت اور پیشگوئی بیان فرمائی ہے کہ میری نبوت کے بعد (یعنی میری وفات کے بعد) اللہ تعالیٰ اپنی سُنتِ قدیمہ کے مطابق میری اُمت میں بھی ضرور خلافت قائم فرمائے گا جس طرح اس نے گزشتہ انبیاء کی وفات کے بعد خلافت قائم فرما کر برکاتِ نبوت کے زمانہ کو لمبا کر دیا تھا تاکہ جو کام نبی اپنی زندگی میں یا یہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے اُن کاموں کی تکمیل نبی کی خلافت کے زمانہ میں ہو اور مخالفوں کو معلوم ہو جائے کہ نبی کی صداقت کا ایک یہ بھی معیار ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق دعوی نبوت کرتا ہے اور اس کے حکم کے مطابق ہی تمام امور سرانجام دیتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ اُس کی وفات کے بعد اسکے کاموں کو جاری رکھنے اور مخالفوں کو دکھانے کیلئے اُس نبی کی اُمت میں خلافت کا قیام عمل میں لاتا ہے تاکہ وہ دیکھ لیں کہ وہ اکیلا تھا اُس نے باوجود زمانہ

کی مخالفت کے خدائی حکم کی اشاعت کی ۔ ۔ ۔

. . . .

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی مزید وضاحت اس حدیث میں فرمائی ہے :۔

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبيّ خلفه نبيّ وانّه لا نبيّ بعدي وسيكون خلفاء فيكثرون

(بخاری)

کہ بنی اسرائیل کا یہ حال تھا کہ انکے انتظامی امور کی سربراہی ان کے انبیاء ہی کرتے رہے ہیں جب کبھی کوئی نبی فوت ہوتا تو اسکا جانشین بھی نبی ہی ہوتا مگر میری وفات کے بعد میرا جانشین نبی نہ ہوگا ہاں خلفاء ضرور ہوں گے اور وہ کئی ہوں گے (یعنی وہ خلفاء نبوت کے بغیر میرے

خلفاء ہوں گے)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے سلسلۂ خلافت کے متعلق جو حقیقت بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل ایمان میں اس قدر کمزور واقع ہوئے تھے کہ ان کی اصلاح کیلئے خدا تعالیٰ کو پے در پے کئی انبیاء مبعوث کرنے پڑے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمتِ مسلمہ کی ایمانی حالت کے متعلق خیر اُمۃ ہونے کا پختہ یقین تھا کہ اُمتِ مسلمہ اپنی کامل اتباع اور علیٰ وجہ البصیرت اپنے ایمان پر قائم رہے گی اور اس کو اپنی اصلاح کے لئے میرے معًا بعد نبیوں کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ اس کی اصلاح کے لئے میرے جانشین خلفاء ہی کافی ہوں گے۔ یہ بھی اُمتِ مسلمہ کی بنی اسرائیل پر برتری، فوقیت اور فضیلت کا ثبوت ہے۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے معًا بعد قائم ہونے والی خلافت کے متعلق فرمایا:۔

الخلافۃ (بعدی) ثلاثون
سنۃ (مشکوٰۃ کتاب الفتن)

یہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری وفات کے بعد جو خلافت قائم ہوگی وہ منہاجِ نبوت پر ہوگی اور وہ میرے جانشین میری تعلیم اور میری اقتداء میں خلیفہ ہوں گے۔ ان کا عرصۂ خلافت تیس سال ہوگا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خلافتِ راشدہ صرف تیس سال تک محدود ہوگی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد یہ تھی کہ تیس سال [illegible]

اُمتِ مسلمہ کو ایسے خلفاء کی خلافت میسر ہوگی جو صحیح اسلامی رنگ لئے ہوئے ہوں گے بعدہٗ یہ دورِ خلافت ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد خلافت اور رنگ اختیار کرے گی۔ اس حدیث کی وضاحت حضرت سید محمد اسماعیل شہیدؒ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

”جیسا کہ کبھی کبھی دریائے رحمت سے کوئی موج سربلند ہوتی ہے اور ائمہ ہدیٰ میں سے کسی امام کو ظاہر کرتی ہے ایسا ہی اللہ کی نعمت کمال تک پہنچتی ہے تو کسی کو تختِ خلافت پر جلوہ افروز کر دیتی ہے اور وہی امام اس زمانہ کا خلیفۂ راشد ہے۔ اور وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ خلافتِ راشدہ کا زمانہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تیس ۳۰ سال تک ہے اس کے بعد سلطنت ہوگی اس سے مراد یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ متصل اور متواتر طریق پر تیس ۳۰ سال تک رہے گی اس کا مطلب یہ نہیں کہ قیامِ قیامت تک خلافتِ راشدہ کا زمانہ وہی تیس سال ہے اور بس بلکہ حدیث مذکورہ کا مفہوم یہی ہے کہ خلافتِ راشدہ تیس ۳۰ سال گزرنے کے بعد منقطع ہوگی نہ یہ کہ اس کے بعد پھر خلافتِ راشدہ کبھی ہو ہی

نہیں کر سکتی بلکہ ایک دوسری حدیث خلافتِ راشدہ کے انقطاع کے بعد پھر عود کرنے پر دلالت کرتی ہے"۔
(منصب امامت ص۳۰۳)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمتِ مسلمہ کے متعلق ایک اور حدیث میں عظیم الشان پیشگوئی بیان فرمائی ہے جو قیامت تک کے لئے اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی کر رہی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں :۔

"تکون النبوّۃ فیکم ما شاء اللہ ان تکون ثمّ یرفعھا اللہ تعالیٰ ثمّ تکون خلافۃ علیٰ منھاج النبوّۃ ما شاء اللہ ان تکون ثمّ یرفعھا اللہ تعالیٰ ثمّ تکون ملکًا عاضًا فتکون ما شاء اللہ ان تکون ثمّ تکون ملکًا جبریّۃ فیکون ما شاء اللہ ان یکون ثمّ یرفعھا اللہ تعالیٰ ثمّ تکون خلافۃ علیٰ منھاج النبوّۃ ثمّ سکت"۔
(مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر)

ترجمہ :۔ تم میں نبوت رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ اس نعمت کو اُٹھا لے گا اور تمہیں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی نعمت دے گا۔ اور یہ خلافت تم میں اُس وقت تک رہے گی جب تک خدا چاہے گا۔ پھر خدا اس نعمت کو بھی اُٹھا لے گا اور جب تک چاہے گا تم میں ملوکیت کو قائم رکھے گا۔ پھر جبر والی حکومت قائم کر دے گا اور اسے جب تک چاہے گا قائم رکھے گا۔ پھر اسے بھی اُٹھا لے گا۔ اس کے بعد پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

آپ اس حدیث کو جو اُمتِ مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کی روشنی میں دیکھیں تو آپ پر اس حدیث کی غیر معمولی اہمیت اور صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے علیم و خبیر سے اطلاع پا کر اُمتِ مسلمہ کو اس پیش خبری سے نوازا اور اس طریق پر راہنمائی کا حق ادا فرمایا کہ آئندہ زمانہ میں خلافت کے متعلق کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہا۔ یہ پیشگوئی غیر معمولی حالات میں اس طرح پوری ہوئی کہ ہر اینٹ اپنے اپنے مقام پر جگہ پاتی رہی اور اُمت اس میں مذکورہ تمام مراحل میں سے گزر کر قعرِ مذلت میں جا پڑی۔

اور اس پر ایسا وقت بھی آیا کہ غیر تو غیر اپنوں نے بھی اسے مردِ بیمار قرار دے دیا . . . . . .

چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ، . . . تکمیل اشاعتِ دین کا پروگرام جماعت کے سامنے رکھا اور فرمایا :۔

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام رُوحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس نے مجھے دنیا میں بھیجا سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے ۔" (الوصیت صک)

چنانچہ اس کے لئے حضرت اقدس نے بھی قدرتِ ثانیہ کی بشارت دی

اور فرمایا :۔

"سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دیگا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیگی ۔"

(الوصیت صک)

خدا کرے ہم میں سے ہر ایک قدرتِ ثانیہ ایسی نعمتِ عظمیٰ سے کما حقہ مستفید ہونے کی توفیق پاتا رہے اور ہم سے کبھی بھی کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جس سے کفرانِ نعمت کا شائبہ بھی محسوس ہو آمین۔

درخواستِ دعا

۱۔ مکرم ومحترم عبد المالک صاحب نمائندہ خالد و تشحیذ الاذہان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے رو بصحت ہیں۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔

۲۔ مکرم آغا راحم صاحب (آف محمود ٹیلیویژن کمپنی) لاہور کے بھتیجے عزیزم منصور احمد صاحب آف اوکاڑہ کی چھت سے گرنے کی وجہ سے ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ احباب صحت کاملہ کے لئے دعا فرمائیں۔

(مینیجر خالد و تشحیذ الاذہان ربوہ)

تبصرہ

"شانِ قرآن"

نام کتاب : شانِ قرآن ، مؤلف : مکرم مولوی سلطان احمد صاحب پیرکوٹی ، ایڈیشن : دوسرا ،
صفحات ۳۳۶ ، طباعت : آفسٹ ، قیمت : پندرہ روپے ۔

قرآن کریم کی عظمت کس درجہ رفیع الشان ، بلند اور بزرگ ترین ہے اس کا صحیح ادراک "شانِ قرآن" پڑھنے کے بغیر نہیں ہو سکتا ۔

سیدنا حضرت اقدس ..... مرزا غلام احمد قادیانی . . . . کی قرآن کریم کے بارے میں دلکش اور جان گداز تحریروں کے مجموعہ کا نام "شانِ قرآن" ہے جو کہ محترم مولوی سلطان احمد صاحب پیرکوٹی نے مرتب کیا ہے اور اب حال ہی میں اس کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آیا ہے ۔ ۳۳۶ صفحے کی یہ کتاب ایسے ہیروں اور موتیوں کا ایک نایاب مجموعہ ہے جس کا ایک ایک لفظ دل پر نقش کر لینے اور روح میں اتار لینے کے قابل ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب کا تحقیقی مرتبہ اس کتاب کو پڑھے بغیر نظر میں آ ہی نہیں سکتا ۔

سیدنا حضرت اقدس ..... کی اسی کے قریب کتب اور تحریرات میں سے جہاں جہاں قرآن کریم کی شان اور اس جامع کتاب کے کمالات کا بیان ہوا ہے وہاں وہاں سے فاضل مؤلف نے یہ پھول اکٹھے کر کے دو سو چار عناوین کے تحت سجا دیئے ہیں ۔ یہ عنوان اس ترتیب سے ہیں کہ جہاں ہر ایک عنوان درج ہے اس کے نیچے اس موضوع کے متعلق تمام کتب سے اقتباسات یکجا کر دیئے گئے ہیں ۔ اس لحاظ سے یہ کتاب انسانی محنت اور سوجھ بوجھ کا ایک اعلیٰ نمونہ قرار پاتی ہے ۔

ابتداء میں حضرت اقدس ..... کی قرآن کریم کی شان میں ۲۸ عربی ، فارسی اور اردو نظمیں ہیں ۔ عربی اور فارسی اشعار کا ترجمہ ساتھ درج ہے ۔ اس کے بعد مختلف عناوین کے تحت قرآنی دقائق و معارف کا بیان اس خوبی سے اور اس خوبصورت ترتیب سے کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ پکڑنے کے بعد کتاب چھوڑنے کو دل نہیں کرتا ۔

خوبصورت طباعت اور کتابت کے ساتھ قیمت کتابوں کی اس مہنگائی کے دور میں نہایت مناسب یعنی صرف ۱۵ روپے ہے اور اس کتاب کی علمی قدر و قیمت اور معنوی وزن جانچا جائے تو نگاہیں چشم تصور میں آج سے سو دو سو سال بعد کا نقشہ دیکھتی ہیں کہ جب اس کتاب کا ایک ایک نایاب نسخہ ہزاروں ڈالروں میں بکا کرے گا ۔ خوش قسمت ہیں وہ جو آج اس قیمتی خزانہ کو حاصل کر لیں ۔ مبلغین اور مربیان کے پاس یہ کتاب ہر وقت موجود رہنی چاہیئے ۔ ہر تقریر ، مضمون ، ہر علمی گفتگو اس کتاب میں درج حوالوں کے بغیر نامکمل ہے ۔

کتاب الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ کے دوسرے بک سٹالوں سے مل سکتی ہے ۔

(ی ۔ س ۔ ش)

میرے زمانہ کی دلّی اور اُس کی چند جھلکیاں

(جناب مسعود احمد خان دہلوی)

داغ دہلوی نے عروس البلاد شہر دہلی کی بربادی پر نوحہ کرتے ہوئے کہا تھا:۔

فلک زمین و ملائک جناب تھی دلّی
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلّی
جواب کاہے کو تھا لاجواب تھی دلّی
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلّی
پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی
یہ شہر وہ ہے کہ ہر انس و جان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ ہر قدردان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا

رہی نہ آدھی یہاں سنگ و خشت کی صورت
بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت

داغ مرحوم نے ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا اور اس کے بھی پندرہ برس بعد کوچہ چیلاں کے چھتہ حکیم آغا جان میں مَیں پیدا ہوا اس لئے مَیں نے وہ دلّی نہیں دیکھی جس کی بربادی پر داغ مرحوم نے آنسو بہائے تھے۔

میرے زمانہ کی دلّی تو راکھ کا ایک ڈھیر تھی ایسا ڈھیر جو شعلوں کے بھڑکنے اور پھر کوئلوں کے دہکنے کے بعد آگ کے سرد پڑنے پر زمین پر باقی رہ جاتا ہے۔ آگ اگرچہ بجھ جاتی ہے تاہم راکھ کے ڈھیر میں حرارت اور اچھی خاصی تمازت بعد میں بھی دیر تک قائم رہتی ہے اس لئے کہ اُس میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے سُرخ انگارے دبے ہوتے ہیں۔ ہَوا کے چلنے سے جب اِن پر سے راکھ ہٹتی ہے تو رات کے اندھیرے میں وہ ٹم ٹم کرتے ہوئے چمک اُٹھتے ہیں۔ ننھے مُنّے انگاروں کی وہ بظاہر معصوم ٹمٹماہٹ وقتی طور پر راکھ کے اُس ڈھیر کو ایک حُسن اور رعنائی عطا کر دیتی ہے۔ اس طرح بربادی کا آئینہ دار ہونے کے باوجود راکھ کا وہ ڈھیر دیکھنے والوں کو خوبصورت نظر آنے لگتا ہے۔ میرے زمانہ کی دِلّی راکھ کا ایک ایسا ہی ڈھیر تھی۔ مَیں بد نصیب بربادی کا احساس کئے بغیر راکھ کے اِس ڈھیر کے حُسن دل آویز پر ہی سو جان سے فدا تھا۔

آسمانِ ادب کے وہ آفتاب و ماہتاب اور روشن ستارے اور مروّجہ علوم و فنون میں دسترس رکھنے والے وہ نابغۂ روزگار وجود جن کے دم قدم

سے یہ شہر بقول داغ مرحوم ہندوستان ہی نہیں سارے جہان کا دل شمار ہوتا تھا ایک ایک کر کے اس جہان سے اُٹھ چکے تھے لیکن اس گئی گزری حالت میں بھی کچھ باکمال ایسے ضرور موجود تھے جنہوں نے دبے ہوئے ننھے منّے انگاروں کی مانند راکھ کے اُس ڈھیر کو عجب طرح آنچ ہی سے ہمکنار کر رکھا تھا۔ اُس رُو بہ زوال معاشرہ کے مایۂ صد افتخار صاحبانِ باکمال میں سے مصوّرِ غم مولانا راشد الخیری، مصوّرِ فطرت خواجہ حسن نظامی، ظہور احمد وحشی، سید ولی اشرف صبوحی، وحید الدین احمد بیخود، نواب سراج الدین سائل، آغا شاعر قزلباش، حکیم محمود علی ماہر، نہال سیوہاروی، برج موہن دتاتریہ کیفی، پنڈت امرناتھ ساحر اور ترِبھون ناتھ زار خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے دم سے شعر و ادب کی محفلیں زندہ تھیں۔ مشاعرے اور ادبی حلقے تو الگ رہے شادی بیاہ یا عام رسمی دعوتوں کی کسی تقریب میں بھی ان میں سے کچھ لوگ شرکت کرتے تو اپنی نکتہ آفرینیوں اور بذلہ سنجیوں سے محفل کو کشتِ زعفران بنا دیتے۔ ان باکمال حضرات کی سحر بیانی سے وہ سماں بندھتا کہ سامعین گل افشانیٔ گفتار کا نظارہ کرنے میں ایسے محو ہوتے کہ انہیں گرد و پیش کی کچھ خبر نہ رہتی۔ ہر کوئی سُن رہا اور سر دُھن رہا ہوتا۔ ایسی ہی ایک محفل کا جس میں حُسنِ اتفاق سے میں بھی شریک تھا آپ کو کچھ حال سُناتا ہوں۔

دلی کے دو اونچے گھرانوں میں شادی کی تقریب تھی۔ لڑکے والے بھی اچھے کھاتے پیتے اور مرفہ الحال تھے اور لڑکی والے تو تھے ہی ماشاء اللہ لوہاروں کے رئیس۔ شادی کے بلاوے اس کثرت سے دیئے گئے کہ لڑکی والوں کے اپنے مہمان تو الگ رہے بارات ہی بارات ہزار بارہ سو افراد پر مشتمل تھی۔ لڑکی والے کشمیری دروازہ کے عین سامنے "کیپٹیل سینما" کے پچھواڑے رہتے تھے سینما کی عمارت بے انتہا صاف ستھری اور شاندار و خوبصورت تھی۔ پہلی نظر میں کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ یہ سینما گھر ہے۔ لڑکی والوں نے سینما ہال کرایہ پر لے بارات کو اسی میں ٹھہرانے کا انتظام کیا۔ دلی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ سینما ہال میں بارات کو ٹھہرایا گیا۔ بارات کے ٹھہرانے کا یہ انتظام لوگوں کے لئے عجوبہ سے کم نہ تھا۔ بہرحال ہال باراتیوں

ہمارے باپ کی لائبریری!

"لیکن ہمارے ہاں تو وہ اخبار بعض دفعہ سات سات پُشت تک چلتا ہے کسی اَن پڑھ شخص کو اگر بس یا گاڑی میں کوئی اخبار مل جائے تو وہ بڑی احتیاط سے اپنے گھر لے آئے گا اور بچے سے کہے گا کہ یہ اخبار پڑھ کر سُناؤ۔ وہ پندرہ دن میں اس اخبار کو ختم کرتا ہے، پھر اس کے بعد وہ سنبھال کر اس اخبار کو "پڑچھتی" پر رکھ دیتے ہیں اور بچے سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے باپ کی لائبریری ہے۔"

(مشعلِ راہ صفحہ ۸۰۳)

سے کھچا کھچ بھر گیا۔ اسٹیج پر براق چاندنی کا فرش بچھا کر اسے گاؤ تکیوں اور غالیچوں سے مزین کیا گیا تھا۔ خوشنما نقرئی خاصدان پان کے بیڑوں سے اٹے ہوئے تھے اور فاصلہ فاصلہ پر قلعی کئے ہوئے چمکدار پیکدان دھرے تھے۔ اگر بتیوں کی خوشبو سے سارا ہال مہک رہا تھا۔ دولہا اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ عمائدین شہر کو روایتی احترام کے ساتھ اسٹیج پر بٹھایا گیا۔ ان عمائدین با تمکین میں دیگر حضرات کے علاوہ یادش بخیر خواجہ حسن نظامی بھی تھے۔ پہلے امام صاحب جامع مسجد نے مسنون طریق پر نکاح کا اعلان کیا۔ آیات مسنونہ کی تلاوت اور ایجاب وقبول کے بعد جونہی نکاح کی رسوم پایۂ تکمیل کو پہنچیں ہر طرف سے مبارکباد کا غلغلہ بلند ہوا اور ہال مبارک، سلامت کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ اس کے بعد حاضرین میں خوشنما رومالوں میں بندھی ہوئی بند چھنٹے سمیت مٹھائی کی طشتریاں تقسیم ہونا تھیں۔ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے تھے اور تقسیم کرنے والے بڑے قاعدہ اور قرینہ سے ہر مہمان کو طشتری پیش کرتے جاتے تھے۔ اس وقت ہال میں مکمل سکوت طاری تھا۔

اسٹیج پر بیٹھے ہوئے ایک صاحب کو جو لڑکی والوں میں سے تھے شادی کی محفل میں سکوت کی یہ کیفیت کچھ ناگوار گزری۔ انہیں اور تو کچھ نہ سوجھا مائک اٹھا کر خواجہ حسن نظامی صاحب کے آگے رکھ دیا اور عرض کیا کہ موقع کے مناسب حال کچھ ارشاد فرمائیے۔ یہاں مناسب سکوت کا سقوط نہ صرف مناسب بلکہ ضروری اور ازبس ضروری ہے۔ خواجہ صاحب نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے فرمایا "ہم کون کہ خواہ مخواہ" کا مصداق میں کیوں بنوں۔ بولیں نہ بولیں امام صاحب۔ اس وقت بولنے کا حق تو ان کا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا مجھے جو کہنا تھا میں کہہ چکا اب کہیں نہ کہیں خواجہ صاحب، اب یہ حق انہی کا ہے اور انہیں ہی کچھ فرمانا چاہئیے۔ خواجہ صاحب نے دیکھا جان چھوٹتی دکھائی نہیں دیتی اگر مزید انکار کیا تو سب بھاڑ کا کانٹا بن کر پیچھے پڑ جائیں گے اور پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا اس لئے چارو ناچار لب کشائی پر آمادہ ہو ہی گئے۔ خواجہ صاحب بلا کے ذہین و فطین، بات میں سے بات نکالنے اور بال کی کھال اتارنے والے مشاق و شہرہ آفاق ادیب تھے اور دسوں انگلیاں دسوں چراغ کے مصداق۔ اس پر بولنے کا انداز انتہائی دلنشیں۔ ایک ایک فقرہ، نہیں نہیں، لفظ لفظ سننے والوں کے دلوں میں اترتا چلا جاتا۔ اس وقت انہوں نے جو کچھ فرمایا میں اسے ان کے اصل الفاظ میں تو بیان نہیں کر سکتا البتہ اپنے حافظے کی مدد سے حتی الامکان اصل کی رعایت رکھتے ہوئے اسے اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ سب کی نظریں خواجہ صاحب کے ہونٹوں پر جمی ہوئی تھیں اور کان جنبش لب سے پیدا ہونے والی آواز دلپذیر سننے کے منتظر و مشتاق تھے۔ یکایک ہال میں خواجہ صاحب کی آواز گونجی:۔

"یہ شادی سینما ہال میں رچائی جا رہی ہے۔ آپ میں سے اکثر کو تعجب ہوا ہوگا کہ شادی کی تقریب کے لئے

سینما ہال کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ بھلا شادی اور سینما ہال کا آپس میں کیا جوڑ ہے؟ تعجب مجھے بھی تھا لیکن جب میں نے غور کیا تو تعجب بے محل نظر آیا۔ شادی کا سینما ہال سے کوئی جوڑ ہے یا نہیں یہ امر دیگر ہے لیکن اگر جوڑ نکل آئے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ذرا غور فرمائیے شادی کی اکثر رسمیں، شادی میں کام آنے والی اکثر چیزیں اور شادی کے نتیجہ میں قائم ہونے والے اکثر رشتے ایسے ہیں جن کے نام یا تو "س" سے شروع ہوتے ہیں یا اُن کے نام میں "س" ضرور آتا ہے۔ پہلے شادی کے نتیجہ میں قائم ہونے والے رشتوں ہی کو لیجیے کیا کہلاتے ہیں یہ رشتے؟ یہی کہ ساس، سُسر، سُسرال، سمدھی، سمدھن، سمدھیانا، سالا، سالی، ساڑھو، سلج اور آخر میں لاکھ اچھی سہی پھر بھی سَو بُروں کی ایک بُری، یعنی سوکن اور اُس کا سوکنا پا اور پھر سوکن کی اولاد اور اس کا سلوک یعنی سوتیلا، سوتیلی، اور سوتیل پن۔ اب آئیے خود شادی اور اس کے ساز و سامان اور انتظام و انصرام کی طرف۔ سو اس سلسلہ میں ہم سب کے جانے پہچانے نام یہ ہیں ۔۔۔ سہاگ، سہاگن، سہاگ پُڑا، سہاگ رات، سات سہاگنوں کا سایہ، سنگھار، سنگھار دان، سُرمہ، سُرمہ دانی، سلائی، دنداسہ، مسی، سیندور، سلمہ ستارا، سہرا، سہرا بندھائی، سلامی، سربالا، سرتاج، ساچق، آرسی، آرسی مصحف، سیج، سیج بند، سوزنی، سجاوٹ، سج دھج، سیٹھنی، سٹھورا اور آخر میں دلہن کی سَو خوبیوں کے برابر ایک خوبی سُگھڑ، سُگھڑ پن، سُگھڑاپا ۔۔۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جب شادی کی بات بات میں "س" کا اتنا عمل دخل ہے تو پھر شادی سینما ہال میں رچائی جائے تو اس پر تعجب بے محل ہے یا نہیں؟"

خواجہ صاحب نے جب شادی کے نتیجہ میں قائم ہونے والے رشتوں اور شادی سے متعلق چیزوں کے نام گنوانے شروع کئے اور سانس لئے بغیر بے تکان "س" کی گردان چھیڑی تو ہر طرف سے آہا ہا، واہ واہ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ سامعین اس نکتہ آفرینی اور گفتار کی شیرینی پر پھڑک اُٹھے۔ اور وہی محفل جس پر پہلے سکوت طاری تھا آن کی آن میں کشتِ

زعفران نظر آنے لگی۔

ایسا ہی ایک اور دلچسپ واقعہ سماعت فرمائیے

۱۹۳۷ء یا ۳۸ء کی بات ہے ہم کچھ نوجوان (معاف کیجئے یہ آج سے تیس تینتیس سال پہلے کی بات ہے اس لئے یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا۔ ہاں مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم کچھ نوجوان) ایک کام کے سلسلہ میں خواجہ صاحب سے ملنے دہلی سے بستی نظام الدین روانہ ہوئے بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ایک اَور نوجوان ہماری مرضی کے خلاف ہمارے ساتھ ہو لئے۔ یہ صاحب تھے تو سیدزادے اور ایک دیندار خاندان کے چشم و چراغ لیکن تھے بڑے اَپ ٹو ڈیٹ۔ لباس تو مشرقی ہی پہنتے تھے لیکن خیر سے تھے صفاچٹ۔ ڈاڑھی اور مونچھیں دونوں اِس صفائی سے مُونڈتے یا مُنڈواتے تھے کہ کیا مجال جو بالوں کے سرے کبھی سر اُٹھا سکیں۔ وہ اِن کی نوبت ہی نہ آنے دیتے تھے۔ جونہی انہوں نے سر اٹھانے کی کوشش کی بس وہیں ٹھپ دیا۔ جب بھی دیکھو چہرہ اسٹیشن کے پلیٹ فارم کی طرح صاف اور چکنا نظر آتا۔ اس پہ طرّہ یہ کہ تھے بھی بہت منہ پھٹ اور چالاک، تینترے اور چرچرے یعنی افلاطونی اور بلا کے باتونی۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ حرفوں کے بنے ہوئے تھے حرفوں کے۔ بات کرتے تو زبان قینچی کی طرح چلتی۔ اپنی کہے جاتے دوسرے کو بولنے کا موقع ہی نہ دیتے۔ زبان تالو سے لگنے کا نام نہ لیتی۔ آخر وہی ہوا جس کا ہمیں ڈر تھا۔ جب ہم ملاقات کے کمرہ میں داخل ہوئے تو یہ صاحب جھپٹ کر آگے بڑھے اور خواجہ صاحب کے عین سامنے جا بیٹھے اور لگے اُوٹ پٹانگ اور اناپ شناپ بولنے۔ زبان کیا کھولی بس ریل گاڑی ہی چھوڑ دی۔ ہم بہت گھبرائے کہ آئے کس کام تھے اور یہ حضرت اَور ہی رام کہانی لے بیٹھے۔ ان کی بات تو شیطان کی آنت تھی اُسے ہم کیسے کاٹ سکتے تھے۔ ان کے منہ میں لگام دینا ہمارے بس میں نہ تھا اس لئے بے بس ہو کر دم بخود بیٹھے ان کی شکل دیکھتے رہے اور زیرِ لب دعا کرتے رہے الٰہی! اس کی ریل گاڑی رُکے یا پٹڑی سے اُترے تو ہمیں بھی بات کرنے کا موقع ملے۔ لیکن صاحب وہ کوئی مسافر گاڑی تو تھی نہیں جو کسی اسٹیشن پر رُکنے کا

بلا عنوان

"اگر ہماری جماعت کے نوجوان بھی مضمون نویسی کی مشق کریں تو آہستہ آہستہ وہ بڑے اچھے مضمون نگار بن سکتے ہیں۔ اس کے لیے شروع میں وہ اتنا ہی کریں کہ کوئی چٹکلہ ذہن میں آجائے تو وہی لکھ کر "خالد" میں بھجوا دیں۔ اس طرح اَور بھی کئی اِس بحث سے لطف اندوز ہوں گے۔ . . . . بعض باتیں خواہ لطیفہ کے طور پر ہوں وہی لکھ دی جائیں۔ اگر ہر نوجوان یہ سمجھ لے کہ مَیں نے کچھ نہ کچھ ضرور لکھنا ہے تو اس سے ایک تو اُسے لکھنے کی مشق ہوگی دوسرے اس کے نتیجہ میں رسالہ بھی دلچسپ ہو جائے گا۔"

(مشعلِ راہ صفحہ ۸۰۶)

تام لیتی وہ تو تھی میل ٹرین یا ڈاک گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی پوری رفتار سے چلی جا رہی تھی۔

اُدھر خواجہ صاحب اپنی جگہ حیران کہ عجب "نان سٹاپ" قسم کے بے ڈھب سے پالا پڑا ہے۔

ان حضرت کی آنکھوں کی چمک دمک چہرے کے آثار چڑھاؤ، ہاتھوں کی بدلوچی حرکات اور ہوائی جہاز کو مات کرنے والی رفتارِ گفتار کا اِس حال میں جائزہ لے رہے تھے کہ آنکھوں میں حیرت کے آثار نمایاں تھے اور چہرہ پر تبسم کھیل رہا تھا۔ خواجہ صاحب نے ان کی کسی بات کا جواب نہ دیا، نہ ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور نہ کسی بات کی تردید کی۔ البتہ ایک موقع پر یکدم ان کی بات کاٹتے ہوئے فرمایا میاں صاحبزادے یہ تو بتاؤ اپنے ساتھیوں کے برعکس تمہاری ڈاڑھی مونچھ کیوں صاف ہے؟ اس سوال میں نہ جانے کیا جادو بھرا تھا سے سنتے ہی وہ ایسے جھینپے کہ یکدم خاموش ہو گئے اور لگے بغلیں جھانکنے۔ بس ان کی وہی حالت ہوئی جو ایک تیز رفتار گاڑی کی یکایک بریک لگ جانے سے ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب نے بڑے ہی میٹھے اور پیارے انداز میں فرمایا: واہ میاں یہ کیا! تم تو زبان کے فراٹے چھوڑ یکدم سناٹے میں آ گئے۔ لو میں بتاؤں ڈاڑھی مونڈنے کا جواز۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے تم اُن نوجوانوں میں سے ہو جو ڈاڑھی مونڈنے کا جواز قرآن سے نکالتے ہیں اور نکالتے بھی ہیں سورۃ التکاثر کی ایک آیت سے۔ وہ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ کے معنے کرتے ہیں پہلے ایک کلا صاف کر یعنی مونڈ اور

روشنی کے مینار

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ چراغ کی روشنی میں امورِ سلطنت کی انجام دہی میں مصروف تھے کہ ان کی زوجہ محترمہ تشریف لائیں اور کہا کہ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ حضرت نے پھونک مار کر چراغ گُل کر دیا اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ بیوی نے حیرانگی سے پوچھا کہ آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا فرمایا چراغ اور اس میں تیل بیت المال کا ہے جسے گھریلو کام کے لئے استعمال کرنا دیانت نہیں ہے۔

(عبد الباسط۔ گوجرانوالہ)

ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ کے معنے کرتے ہیں پھر دوسرا کلا بھی صاف کر اور مونڈ یعنی بالکل صفا چٹ ہو جا —— کیوں میاں صاحبزادے یہی جواز ہے نا تمہارے پاس ڈاڑھی مونڈنے کا —— خواجہ صاحب کے اِس اسلوب بیان سے وہ صاحب تو ایسے سٹپٹائے کہ سب لن ترانی بھول گئے اور منہ میں گھنگھنیاں ڈال نگاہیں نیچی کئے بیٹھے رہے۔ اُن کی تو ایسی سٹی گم ہوئی جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ ہم نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔ اپنے آنے کا مقصد بیان کیا جسے خواجہ صاحب نے ہماری حسب منشا خاطر خواہ پورا کر دیا

اب تک تو میں نے راکھ کے اُس ڈھیر کا جس

سے میرے زمانہ کی دلی عبارت تھی کچھ حال بیان کر کے اُن نیچے کھچے انگاروں میں سے ایک انگارے کا ذکر کیا ہے جو اپنی چمک دمک سے اُس ڈھیر کو ایک گونا خوبصورتی اور رعنائی عطا کرنے کا موجب بنے ہوئے تھے۔ لیکن راکھ کے اُس ڈھیر میں نتھے منّے بے شمار انگارے اور بھی تھے جو راکھ کے اندر اس قدر گہرائی میں دبے ہوئے تھے اور روپوش ہونے کی حالت میں اُس ڈھیر کی رہی سہی گرمی اور تمازت کو برقرار رکھنے میں ان کا بھی ہاتھ تھا۔ ان کے وجود کا دوسروں کو اس وقت ہی پتہ لگتا تھا جب کوئی دل جلا راکھ کو کرید کر ایسے کسی انگارے کو منظرِ عام پر لے آتا تھا۔ چنانچہ میں خود اس کا عینی شاہد ہوں کہ ایک دفعہ دلی کے ایک ہندو ادیب جناب طالب بنارسی نے ایسے ہی ایک انگارے کو اس ڈھیر میں سے کرید نکالا اور دنیا اس کی چمک دمک کو دیکھ کر ورطۂ حیرت میں پڑے بغیر نہ رہی۔

دلی مرحوم کے اُس آخری دور میں ایک بہت بلند پایہ نظم گو شاعر ہو گزرے تھے۔ اُن کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی تھا مہاراج بہادر برق۔ سچ بات یہ ہے کہ وہ نظم کہنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ چکبست سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اردو و فارسی پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ انگریزی کے بھی ماہر اور اس پر مستزاد یہ کہ مغربی فلسفہ اور دیگر مغربی علوم سے خوب واقف لیکن افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ بلد فوت ہو گئے اس لئے چکبست کی طرح مشہور نہ ہو سکے۔ جناب طالب بنارسی سال کے سال اُن کی برسی منایا کرتے تھے۔ اپنے گھر پر جو بڑھ شاہ بولا کے علاقہ میں تھا ایک ادبی محفل منعقد کرتے جس میں جناب برق کی شاعری پر مقالے پڑھے جاتے اور شعراء منظوم خراجِ عقیدت پیش کرتے۔ ایسی ہی ایک محفل میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا۔

جناب برج موہن دتاتریہ کیفی صدارت فرما رہے تھے۔ دو تین ہندو ادیبوں نے یکے بعد دیگرے مقالے پڑھے لیکن افسوس وہ اس پایہ کے نہ تھے کہ برق کی عظمت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا حق ادا ہو سکتا۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ ہندو کالج

کلام و فکر

تم اُس وقت کلام کرتے ہو جب تمہارے اور تمہارے افکار کے درمیان جنگ ختم ہو جاتی ہے اور جب تم اپنے دل کی تنہائی میں نہیں ٹھہر سکتے تو اپنے ہونٹوں پر آ براجمان ہوتے ہو۔ آواز صرف ایک تفریحی مشغلہ ہے اور وقت گزاری۔ اور جب تم زبان کی گرہیں کھول دیتے ہو تو اپنے افکار کی آدھی جان نکال لیتے ہو۔ اس لئے کہ فکر فضائے بسیط کا ایک پرندہ ہے جو کلام کے پنجرے میں اپنے بازو تو پھڑپھڑا سکتا ہے لیکن اُڑ نہیں سکتا۔

(خلیل جبران)

دہلی کے ایک ہندو پروفیسر جناب ضیاء فتح آبادی نے اپنے مقالہ میں یہ گلہ کر ڈالا کہ ہندوؤں نے اردو ادب کی جو گراں بہا خدمت کی ہے مسلمانوں نے اس کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام لیا ہے چنانچہ ضیاء فتح آبادی کے اس سراسر بے محل اور ناروا اظہار خیال سے محفل کی فضا کسی قدر مکدر ہو گئی۔ مسلمان حاضرین نے کچھ ناک بھوں چڑھائی اور بعض لوگ اسٹیج پر پہنچ کر اس گلہ کا حساب چکانے کے لئے پر تولنے لگے۔ صدر مجلس جناب علامہ کیفی نے رنگ محفل بدلتا دیکھ کر فوراً ہی اعلان کیا کہ پروگرام میں ایک مسلمان ادیب کا مقالہ بھی شامل ہے چنانچہ اب میں انہی کو اپنا مقالہ پیش کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

صاحب صدر کے اس اعلان کے ساتھ ہی ادھیڑ عمر کے ایک گمنام ادیب مقالہ سنانے آگے بڑھے۔ ملگجے کپڑوں میں ملبوس یہ بزرگ اس ہیئت کذائی کے ساتھ مقالہ ہاتھ میں لئے سامنے آئے کہ انہوں نے پاجامے کے پائنچے اوپر اڑسے ہوئے تھے۔ اچکن کے بٹن کھلے ہوئے اس پر طرہ یہ کہ گلے کا ٹیک لگا ہوا تھا۔ پہلے انہوں نے ڈھیلی ڈھالی اچکن کی جیب تلاش کر کے اس میں سے باوا آدم کے وقت کی ایک ٹوٹی پھوٹی عینک نکالی، اسے ناک پر جمانے اور شیشوں کے ساتھ لٹکے ہوئے ڈوروں کو کمانیوں کے طور پر کانوں کے گرد لپیٹنے کے بعد مقالہ پڑھنے سے پہلے دھیمی آواز میں کھنکھارتے ہوئے گلا صاف کیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے مسلمان ان کی یہ ہیئت کذائی دیکھ کر بہت کبیدہ خاطر ہوئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے یہ حضرت کیا مقالہ پڑھیں گے۔ مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے طالب صاحب کو اور کوئی نہ ملا تھا جو اس گمنام شخص کو بایں ہیئت کذائی یہاں لا بٹھایا ہے۔ ایک نوجوان شاعر جو غالباً اسیر تخلص کرتے تھے اس قدر آپے سے باہر ہوئے کہ قریب بیٹھے ہوئے اپنے ساتھی سے کہنے لگے میاں یہ چیز تو غضب کی ہے آج ہماری ناک کاٹ کر ہی رہے گا۔

یہ فقرہ انہوں نے اپنی زبان سے ادا کیا ہی تھا کہ یکدم ان بزرگ نے بڑی ہی پرشوکت آواز، دل موہ لینے والے لب و لہجے اور کمال درجہ مسحور کن انداز میں مقالہ کی تمہید پڑھنا شروع کی۔ سرگوشیاں یکدم ختم ہو گئیں۔ سب ہمہ تن گوش ہو کر مقالہ سننے میں محو ہو گئے۔ آن کی آن میں محفل کا رنگ ہی بدل گیا۔ دلی کی ٹکسالی، ستھری اور نکھری ہوئی زبان میں لکھے ہوئے مقالہ کے ایک ایک فقرہ پر سامعین ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ آہا ہا، واہ واہ واہ، ماشاء اللہ ماشاء اللہ، کیا روانی ہے، کس بلا کی سلاست ہے، الفاظ نہیں نگینے ہیں نگینے —— ہر طرف سے یہ آوازیں بلند ہونے لگیں۔ وہی جو پہلے دل ہی دل میں آوازے کس رہے تھے اب مقالہ نگار کی ہیئت کذائی کو بھول اس کے منہ سے جھڑنے والے پھول چننے میں مصروف تھے۔ مقالہ کی تمہید میں آپ کو بھی سناتا ہوں۔ تمہید یہ تھی:-

"آہ! دِلّی وہ دِلّی نہیں رہی۔ دِلّی والے چل بسے۔ ان کی جگہ غیروں نے لے لی۔ شہر پر قبضہ، زبان پر تصرّف۔ زمانہ نے وفا نہ کی۔ آسمان نے دیدے پھیر لئے۔ اُردو کی روزمرہ جن گودوں میں پلی بڑھی اب وہ گود ہے نہ گود والے۔ آسمان نے دُنیا کی دارو گیر کے لئے چکّر کھایا۔ بساطِ دنیا پر ایک نیا دَور آیا۔ سلطنت مِٹی، مِٹنی تھی۔ دولت حشمت نہ رہی بَلا سے۔ کس کے پاس سدا رہی ہے جو یہاں رہتی۔ ستم تو یہ ہے کہ دِلّی کا تمدّن، دلّی کی زبان، یہاں کی پوشش، یہاں کا رکھ رکھاؤ، اب کسی کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ سینکڑوں عیب نکالے اور ہزاروں کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔ رہے سہے اگلے زمانہ کے جو لوگ باقی ہیں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم، دیکھتے ہیں اور چُپ ہیں۔ اللہ اللہ! وہ دن بھی تھے کہ دلّی والے زبان والے کہلاتے تھے اور یہ دن بھی دیکھنے مقدر تھے۔ بھانت بھانت کی بولیاں کانوں میں پڑتی ہیں۔ مگر کمبخت اِس دل کا کیا کریں۔ وہ چاشنی، وہ مزہ، وہ لذّت، وہ حلاوت، وہ پھڑکتی ہوئی ترکیبیں، مچلا دینے والی تشبیہیں، مُنہ سے بے ساختہ نکلے ہوئے جملے، نازو نیاز کی گفتگو، قلعہ معلّی کی اُردو، سب سے نیارا رنگ، سب سے جُدا ڈھنگ، انوکھی ادا، نرالی شان کسی اَور بولی میں نہیں دیکھتا اور نہیں پاتا۔ درد ہوتا ہے مگر دل بے چارا اُف تک نہیں کرتا۔ سینے میں ہمکتا ہے، کچھ کہنا چاہتا ہے، موقع اور محل نہیں، دم بخود ہے۔ بھلا مجھے جناب برقؔ سے محبت و عقیدت کیوں نہ ہو۔ برقؔ دلّی والے تھے، بزرگوں کی یادگار، اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے، اُن کے نام لیوا، اُن کی آن بان کو قائم رکھنے والے۔ مَیں کیا ہر دلّی والے کا دل اُن کی محبت سے لبریز ہے اور جذباتِ عقیدت سے معمور۔"

دلّی کی ٹکسالی اور موتیوں کی طرح نکھری ہوئی زبان کی تمام خوبیاں اِس عبارت میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔ ہر فقرہ جملہ کی مانند مختصر لیکن اپنی جگہ جامعیت کا مظہر۔ اس کے باوجود عبارت روانی اور سلاست کی اِس درجہ آئینہ دار کہ دریا کی روانی

بھی اس کے آگے مات۔ اس پر برجستہ محاوروں کی بہتات اور نگینوں کی طرح جڑتے ہوئے ہم قافیہ اور ہموزن الفاظ کی تکرار رنگینئ بہار کی دل آویز کیفیت سے مالا مال۔

سارا مقالہ دلی کی ٹکسالی زبان اور اسی دل موہ لینے والے انداز میں لکھا ہؤا تھا جس میں جناب برق کی بلند پایہ غزلوں اور مسحور کر دینے والی نظموں کے نمونے پیش کر کے ان کی فنی خوبیوں اور زبان و بیان کی دلآویزیوں کو بڑے ہی اچھوتے انداز میں واضح کیا گیا تھا۔ نیز تخیل کی غیر محدود وسعت، طبقات الارض، اجرام فلکی، فضا اور خلاء، عناصر اربعہ، منطق و فلسفہ، ذرہ کی حالتِ اولین، جزو لاتیجز، اسلاف و قدماء کے کارنامے، اخلاق، تمدن، معیشت، سائنس، حکمت اور مذہب وغیرہ کے متعلق جناب برق کی خیال آفرینیوں کو بہت عمدہ پیرائے میں اجاگر کر کے عجب والہانہ انداز میں محبت و عقیدت کے پھول نچھاور کئے گئے تھے۔ اسی پر ہی نہیں بلکہ انگریزی نظموں کا نہایت درجہ دلکش و حسین منظوم ترجمہ کرنے میں ان کی حیران کن مہارت پر بھی نہایت خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی گئی تھی۔ اپنے اس بھرپور اور بصیرت سے معمور مقالہ کو اُن بزرگ نے ان الفاظ پر ختم کیا:-

"آہ جناب برق آج ہم میں نہیں۔ وہ شاعر جس کا قلم سحر رقم تھا، جس کی زبان جادو بیان تھی، جس کا

روشنی کے مینار

اکثر صحابۂ رسول اللہؐ محنت مزدوری پر اپنی اوقات بسری کرتے تھے۔ پھاوڑا چلاتے چلاتے ایک صحابی کے ہاتھ سیاہ ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے دیکھا تو فرمایا کیا تمہارے ہاتھوں پر کچھ لکھا ہؤا ہے؟ بولے نہیں، پتھر پر پھاوڑا چلاتا ہوں اور اس سے اپنے اہل و عیال کے لئے روزی پیدا کرتا ہوں۔ آپؐ نے اُن کے ہاتھ چوم لئے۔

(اسد الغابہ۔ تذکرہ سعد الانصاری رضؓ)

خیالِ برق مثال تھا، جس کی نظم رونقِ بزم تھی، جس کا کلام مقبولِ انام تھا اور ہے، اپنا کام ادھورا چھوڑ کر دنیا سے چل دیا۔ غنیمت ہے طالبؔ صاحب کا دم جن کے دم سے جناب برق کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ برق دنیا میں نہ رہے۔ مقدراتِ الٰہیہ میں کسی کا چارہ نہیں لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ برق کا کلام زندہ ہے، زندہ رہے گا اور رہتی دنیا تک اہلِ دل اہلِ نظر اور اہلِ ذوق ان کے خیال پر قبولیت اور خوشنودی کے پھول

نچھاور کرتے رہیں گے ہیں یہ مضمون لکھ رہا تھا لکھتے لکھتے مجھ پہ وارفتگی کا عالم طاری ہو گیا۔ جناب برق کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ خیال آیا کہ ان کی قبر پر جاؤں اور عقیدت کے پھول چڑھاؤں۔ معاً خیال آیا کہ وہ تو ہندو تھے۔ بے ساختہ فارسی کا یہ شعر زبان پر جاری ہوا جو جناب برق پر صادق آتا ہے ؎

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے عارفاں باشد مزار ما

جونہی انہوں نے مقالہ ختم کیا ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں اور محفل میں ایک شور پڑ گیا۔ اکثر لوگوں کی زبان پر تھا گودڑی میں لعل اس کو کہتے ہیں۔ وہ نوجوان شاعر جنہوں نے مقالہ سننے سے قبل اِن بزرگ کو چپڑ قناتیا کہہ کر استہزاء کا مظاہرہ کیا تھا کفِ افسوس مَل رہے تھے بلکہ کہے جا رہے تھے ہائے ہم نے ایسے بلند پایہ اور کہنہ مشق ادیب کی شان میں کیوں گستاخی کی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ان میلے کپڑوں میں نگاہوں کو خیرہ کر دینے والا ہیرا، لعلِ بے بہا بلکہ گنجِ گراں مایہ چھپا ہوا ہے ___ عالی مقام ہونے کے باوجود یہ گمنام ادیب کون تھا؟ یہ تھے عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ لیکن خواص کے نزدیک برگزیدہ جناب محمد حسن آسان دہلوی ہاں وہی محمد حسن آسان دہلوی جنہیں خواجہ حسن نظامی نے ایک فقرۂ دو مجلس میں چہکتا دیکھ کر بلبل ہزار داستان کا خطاب دیا تھا اور جو اہلِ ذوق حضرات کے حلقوں میں اسی نام سے یاد کئے جاتے تھے۔

میں نے اپنے زمانہ کی دلّی کی ایک خفیف سی جھلک آپ کو دکھائی ہے یعنی اُس دلّی کی جو راکھ کا ایک ڈھیر تھی لیکن ایک ایسا ڈھیر جس میں چمکتے ہوئے خوش رنگ انگارے دبے ہوئے تھے اور جب راکھ اڑنے کی وجہ سے اُن میں سے بعض نمودار ہو جاتے تھے تو اس گئی گزری حالت میں بھی دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کئے بغیر نہ رہتے تھے۔ لیکن اب راکھ کا وہ ڈھیر صحیح معنوں میں راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے جس میں کوئی حرارت باقی نہیں رہی، دلّی والے چل بسے۔ کچھ شاہجہان آباد سے اُس جہان میں جا آباد ہوئے اور باقی جو ہیں وہ دوسرے امصار و دیار میں پناہ گزین ہو کر گوشۂ خمول میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ سچ ہے رہے نام اللہ کا ___ ؏

سب موت کا شکار ہیں اس کو فنا نہیں

کہیں آپ سرطان کا شکار تو نہیں ؟

(محمد احمد اشرف صاحب لاہور)

سرطان کوئی متعدی مرض نہیں ہے لیکن اس کے باوجود شاید یہ موجودہ دور کی دوسری مہلک ترین بیماری ہے۔ اگرچہ سرطان کی تمام اقسام کا کوئی قطعی اور حتمی علاج ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا تاہم جتنی جلدی اس مرض کا علم ہو جائے علاج اُتنا ہی زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

ہماری زندگی کی ابتداء ایک مفرد خلیہ سے ہوتی ہے جو بارآور ہو کر دو خلیات میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ پھر یہ دونوں خلیات مزید تقسیم ہوتے ہیں اور ان سے خلیات کی تقسیم کا سلسلہ اُس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک ہمارا حیرت انگیز جسم کروڑہا خلیات پر مشتمل ہو کر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ جاتا — لیکن بلوغت کے بعد بھی خلیات کی تقسیم اور افزائش کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ نئے خلیات پرانے اور بوسیدہ خلیات کی جگہ لیتے رہتے ہیں اور یہ سارا کام انتہائی پیچیدہ ہونے کے باوجود ایک حیرت انگیز نظام کے تحت سرانجام پاتا ہے جو خلیات میں ایک خاص ترتیب اور ترکیب برقرار رکھتا ہے — تاہم خلیات کی یہ افزائش ہمیشہ ہی ایسی باترتیب نہیں ہوتی بلکہ کبھی کبھی غیر معمولی طور پر بعض مقامات پر خلیات کی افزائش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اس قسم کی غیر معمولی اُٹھان جسم میں گلٹی پیدا کر دیتی ہے۔ یہ دو طرح کی ہو سکتی ہے۔ یعنی معمولی یا سرطانی معمولی قسم کی گلٹی صحت کے لئے خطرناک نہیں ہوتی۔ اگرچہ دیکھنے میں یہ بدنما ہو سکتی ہے اور کبھی کبھی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ دوسرے اعضاء پر اس کا بوجھ یا دباؤ باعث پریشانی ہوتا ہے لیکن اسے معمولی آپریشن کے ذریعے نکالا جا سکتا ہے اور یوں اس کے قریب پائے جانے والے رگ و ریشے خطرہ سے محفوظ رہتے ہیں اور اس کا دوبارہ پیدا ہونا کبھی سُنا یا دیکھا نہیں گیا — سرطانی گلٹی ہلکی قسم کی گلٹی سے مختلف اور بہت تباہ کن ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا سبب رگ و ریشہ کا وافر طور سے بڑھ جانا ہوتا ہے جس کا کنٹرول بھی آسان نہیں۔ جب اس قسم کے بے ترتیب ظہورات بظاہر بلاوجہ پیدا ہوتے ہیں، جسم میں ایک خاص جگہ پر خلیات کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کا روئیہ معمول

سے ہٹ جاتا ہے تو یہ سرطانی کیفیت، سرطان یا کینسر کہلاتی ہے۔

چونکہ یہ سرطانی خلیات بڑھتے رہتے ہیں اسلئے آس پاس کے تندرست رگ و ریشے بھی اس کی دسترس سے محفوظ نہیں رہتے۔ ایسے حالات میں اس قسم کی گلٹی کو نکالتے وقت دوسرے رگ و ریشوں کو بھی گزند پہنچتا ہے۔ نیز سرطانی خلیات، گلٹی کے پھوٹ پڑنے سے خون کی نالیوں میں سرایت کرکے شریانوں کے عرق سے جسم کے دوسرے حصّوں میں سرطانی حالات پیدا کر دیتے ہیں۔

اس طرح بعض اوقات معدہ کا سرطان حملہ آور ہو کر جگر کو بھی تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ پھیپھڑوں، چھاتیوں اور رحم کا سرطان دماغ کو بھی اسی طرح متاثر کر سکتا ہے۔

سرطان جسم کے کسی بھی حصّے میں، کسی بھی عمر میں نمودار ہو سکتا ہے۔ ویسے عام طور پر یہ بڑھاپے کا مرض ہے۔ عورتوں میں زیادہ تر ۳۵ سال کی عمر کے بعد اور مردوں میں ۴۰ سال کے بعد دیکھا گیا ہے۔

سرطان بنیادی طور پر دو قسم کا ہوتا ہے۔

(ا) SARCOMAS :- جو عموماً ہڈیوں اور عضلات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ بڑی تیزی سے بڑھتا ہے اسلئے بے حد خطرناک ہوتا ہے۔

(ب) CARCINOMAS :- یہ چھاتیوں، جلد زبان، معدہ، انتڑیوں، غدود اور رحم وغیرہ کو متاثر کرتا ہے۔ عورتوں میں سرطان عموماً چھاتیوں اور اعضائے تولید میں ظاہر ہوتا ہے۔ مردوں میں یہ عام طور پر معدے، پھیپھڑوں، جلد اور مقعد پر حملہ کرتا ہے۔

علاماتِ سرطان :-

(i) جسم کے کسی حصّے میں غیر معمولی گلٹی یا رسولی، خصوصاً چھاتی یا زبان وغیرہ پر۔

(ii) پرانی گلٹی میں درد ہونا یا اس سے خون بہنا۔

(iii) کسی وقت غیر معمولی طور پر خون یا سیلان کا جاری ہونا۔

(iv) ایسا زخم جو مندمل ہی نہ ہو۔

(v) بھوک کی کمی اور وزن کا غیر متوقع طور پر گرنا۔

دلائل کا وزن

انتخابی سرگرمیاں زور و شور سے جاری تھیں۔ جارج برنارڈ شا بھی اپنے ایک دوست امیدوار کی حمایت میں سرگرم تھے۔ ایک انتخابی حلقے میں ڈائس موجود نہ تھا چنانچہ تقریر کرنے کے لئے لکڑی کے بنے ایک ڈرم پر چڑھ کر پُرجوش تقریر کرنے لگے۔ ڈرم پر زور پڑا تو اس کا ڈھکنا ٹوٹ کر مسٹر شا کے ساتھ ہی اندر گر گیا مگر دوسرے ہی لمحے شا ڈرم سے باہر نکلے اور بآوازِ بلند پورے اطمینان سے بولے "دیکھا میرے دلائل کا وزن"۔

(مرسلہ :- عبدالغنی قیصر)

مندرجہ بالا علامات میں سے کوئی علامت بھی سرطان کی طرف سے خطرے کی گھنٹی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ مذکورہ بالا علامتیں لازماً سرطان ہی کی علامات ہوں۔ لہذا ڈاکٹر ہی کو اس بات کا یقین اور تشخیص کرنے دیجئے۔ طبی معائنے اور ٹیسٹوں وغیرہ سے مرض کی صحیح نشان دہی ہو سکتی ہے۔ لیکن یاد رکھیئے! جلد تشخیص ہر حالت میں بے حد ضروری ہے فقط چند روز کا تامل سرطان کے بڑھنے کے لئے کافی ہوتا ہے جس سے وہ تندرست رگ و ریشے میں رینگ کر دُور تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

ممکنہ اسباب:-

بعض تکلیف دہ اور ہیجان پیدا کرنیوالے عناصر چند اقسام سرطان کا باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً کسان، ملاح اور اسی طرح کے دیگر پیشہ ور لوگوں پر سورج کی شعاعیں نسبتاً زیادہ سرطانی صورتِ حال پیدا کرتی ہیں۔

ریڈیالوجسٹس اور ایکس رے جیسی دیگر شعاعوں پر کام کرنے والے پیشہ ور اگر مناسب احتیاطی تدابیر نہ کریں تو اکثر سرطان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جاپان میں ناگاساکی اور ہیروشیما کی تباہی اور تابکاری سے بچے کھچے لوگ دوسری جنگِ عظیم کے اختتام پر سرطان کے حادثات میں بہت محصور ہو گئے تھے۔

پھیپھڑوں کا سرطان تمباکو کے سولہ سے اُمد قسم کے زہروں سے پیدا ہوتا ہے۔

علاج:-

سرطان کی سب اقسام کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔ تاہم صورتِ حال اس قدر مایوس کُن نہیں جس قدر لوگ سوچتے ہیں۔ جلد کا سرطان ۹۵ فیصد قابلِ علاج ہے۔ اس کے برعکس پھیپھڑوں کا سرطان سینے میں پوشیدہ ہونے کے باعث فوری طور پر پہچانا نہیں جاتا اسلئے علاج میں مشکلیں پیدا کر دیتا ہے۔ یہ ۵ فیصد قابلِ علاج ہے تاہم سرطان کی تمام اقسام کے پیشِ نظر ہر تین سرطانی مریضوں میں سے ایک کا علاج یقینی طور پر موجودہ طرزِ علاج کی بدولت ممکن ہے۔

(۱) عموماً سرطان خوردہ حصے کو مکمل طور پر نکال دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ایک خاص مدت تک پھر سرطان نہیں ہوتا۔

(۲) ایسی ایسی تیز ادویات بھی تیار ہو گئی ہیں جو سرطانی خلیات کا قلع قمع کر سکتی ہیں یا اُنہیں سرطان کے حملہ سے محفوظ کر دیتی ہیں۔ ان میں ALKYLATING AGENTS اور ANTI METABOLITES مثلاً METHOT-REXATE اور CHLORAMBUCIL وغیرہ شامل ہیں۔

(۳) بعض سرطانوں کا علاج ہارمونز کے ذریعے بڑے دلچسپ طریقے سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مرد کے پروسٹیٹ گلینڈ میں سرطان ہو تو اس کے جسم میں زنانہ جنسی ہارمونز داخل

کرنے سے سرطان دُور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح
اگر کسی عورت کی چھاتیوں میں سرطان ہو اور
وہ ہڈیوں کی طرف پھیلنا شروع ہو جائے
تو بعض حالات میں مردانہ جنسی ہارمونز داخل
کرنے سے سرطانی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔

(۴) ایک خاص قسم کی پروٹین INTERFERON
(جو خون کے سفید ذرات پیدا کرتے ہیں) کو
حال ہی میں سرطان کی ممکنہ حتمی دوا قرار دیا گیا
ہے۔ لیکن چونکہ ہزاروں سفید جسیموں سے
صرف معمولی سا Interferon حاصل
ہوتا ہے اسلئے یہ ایک نایاب (جزو) مرکب
ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس پر زیادہ تجربات
نہیں ہو سکے۔ اس پروٹین میں موجود امائنو
ایسڈز کی تعداد تو معلوم ہے یعنی ۱۴۰ سے
۱۵۲ تک لیکن ان کی صحیح ترتیب کا علم نہیں۔
جس کی وجہ سے اسے تجربہ گاہ میں مصنوعی طور
پر تیار کرنا بھی مشکل ہے تا وقتیکہ اس کا
پورا فارمولا معلوم نہ ہو جائے۔ لیکن یہ امر
خوش آئند ہے کہ وراثتی انجینئرنگ کے
اصول پر اس پروٹین کو تیار کرنے کی
کوشش کی جا رہی ہے جس کے لئے پورا
فارمولا جاننا بھی ضروری نہیں ہوتا۔

(۵) وٹامن سی کو بھی جدید تحقیقات کی روشنی
میں سرطان کے خلاف مؤثر قرار دیا گیا ہے۔
دراصل سرطان کی ایک وجہ ایک

آزادی

ایک امریکی اور روسی جمہوریت اور کمیونزم
پر بحث کر رہے تھے، امریکی نے کہا کہ امریکہ میں
اس قدر آزادی ہے کہ کوئی بھی شخص وائٹ ہاؤس
کے سامنے صدر کینیڈی کو بُرا بھلا کہہ سکتا ہے۔
روسی نے جواب دیا کہ روس میں اس قدر آزادی
ہے کہ ہر شخص کریملین کے سامنے کھڑا ہو کر صدر
کینیڈی کو گالیاں نکال سکتا ہے۔

(مرسلہ: محمد رفیق عابد)

مرکب NITROSAMINE کہا جاتا ہے جو جسم
میں نائٹرایٹ اور امینز کے ملنے سے بنتا ہے۔
وٹامن سی انہیں ملنے سے روکتی ہے اور یوں کینسر
کے خطرے کو دُور کر دیتی ہے۔ سرطان کی بہت سی
اقسام کی وجہ ایک خاص قسم کے وائرس بھی بتائے
جاتے ہیں وٹامن سی ان کا مقابلہ بھی کرتی ہے۔
وٹامن سی جسم کے دفاعی خلیات کی مدد کر کے بھی
کینسر کے خلاف ہماری مدد کرتی ہے۔

سرطان سے بچنے کی تدابیر:-

۱۔ سال میں ایک مرتبہ اپنا مکمل طبی معائنہ ضرور
کروائیے۔ خطرہ کی گھنٹی بجنے سے قبل بھی
سرطان کی کئی اقسام کا پتہ لگ جاتا ہے۔

۲۔ اگر پہلے بیان شدہ سرطان کی کوئی بھی علامت دو ہفتوں تک نہ ملے تو فوری طور پر ڈاکٹر سے رجوع کیجئے۔

۳۔ تمباکو نوشی سے پرہیز کرنے کی کوشش کیجئے کیونکہ تمباکو میں سرطان پیدا کرنے والے عناصر موجود ہوتے ہیں۔

۴۔ پان کھانے سے بھی اجتناب کریں کیونکہ اس سے منہ، حلق اور خوراک کی نالی کا سرطان ہو سکتا ہے۔

۵۔ ہمیشہ متوازن خوراک استعمال کریں صاف شدہ اناج، ناخالص پانی اور آئیوڈین کی کمی بھی سرطان پیدا کر سکتی ہے۔

۶۔ دیر تک دھوپ میں رہنے سے اجتناب کریں۔ بہت زیادہ ایکس ریز اور دیگر خطرناک شعاعوں سے ہر ممکن حد تک بچیں۔

۷۔ دیکھا گیا ہے کہ بچوں کو دودھ پلانے والی مائیں بہت کم چھاتی کے سرطان میں مبتلا ہوتی ہیں اسلئے ماں بچے کو اپنا دودھ پلائے۔

۸۔ ہمیشہ صاف ستھرا رہیں اور جسم کے ہر حصے کو بھی صاف ستھرا رکھیں۔ دھوئیں اور گرد آلود فضا سے دور رہیں۔

۹۔ سرطان کے متعلق علاج کے لئے پُر امید نظریہ رکھیئے۔ خدا تعالیٰ کے حضور ہر وقت مصروف دعا رہیں اور کبھی بھی تشخیص اور علاج سے بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ بے شک سرطان بڑا اور بُرا مرض ہے لیکن اس کی جلد تشخیص سے علاج میں بہت مدد ملتی ہے اور فوری علاج سے صحت کی اُمید کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

۱۰۔ وٹامن سی کا استعمال ضرور کریں۔ یہ نہ صرف کینسر کی روک تھام کے لئے کار آمد ہے بلکہ عام جسمانی صحت کے لئے بھی نہایت مفید ہے۔

- لوگوں نے حضرت اویس قرنیؒ سے پوچھا کہ آپ رات کس طرح بسر کرتے ہیں؟ فرمایا میں سجدہ میں سُبحان ربّی الاعلیٰ بھی نہیں کہنے پاتا کہ صبح ہو جاتی ہے۔
- آپ سے پوچھا گیا کہ نماز میں خشوع کس بات کا نام ہے؟ فرمایا یہ کہ اگر نمازی پر نیزے کا وار بھی کیا جائے تو بھی اُسے خبر نہ ہو۔
- آپ سے پُوچھا گیا کہ آپ کی کیا حالت ہے؟ فرمایا اُس شخص کی حالت کیا پُوچھتے ہو جو صبح کے وقت اُٹھے اور اُسے معلوم نہ ہو کہ آیا اجل اُسے شام تک مہلت دے گی یا نہ۔ (تذکرۃ الاولیاء)
- مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے ظاہر کو ایک مچھر بچھا کر رکھ سکتی ہے مگر انسان کا باطن سات آسمانوں پر محیط ہے۔

مرسلہ: صہیب منیر۔ ربوہ

"جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا"

گلستانِ سعدیؒ سے دو حکایتیں

درویش اور مرقد

ایک مرتبہ رندوں کا ایک گروہ ایک درویش کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور نامناسب باتیں کہیں۔ اور اُسے مارا اور ایذا پہنچائی۔ درویش نے اپنی کمزوری کی شکایت اپنے مرشد سے کی۔ مرشد نے جواب دیا۔ اے بیٹے! درویشوں کا لباس "رضا" ہوتی ہے۔ اور جو شخص ایسی پوشاک کو پہننے کی ناکامی برداشت نہ کر سکے وہ مدعی ہے درویش نہیں اور اس پر گدڑی حرام ہے ؎

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ
عارف کہ برنجد تنگ آب ست ہنوز

بکثرت بہتے دریا کا پانی ایک پتھر سے گدلا نہیں ہوتا اور جو عارف ایسی باتوں پر اپنا دل میلا کرے اس کا حوصلہ بہت تنگ ہے ؎

گر گزندت رسد تحمل کن
کہ بعفو از گناہ پاک شوی

اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے برداشت کر کیونکہ تو عفو کے ذریعہ ہی گناہ سے پاک ہو جائیگا۔

اور سعدیؒ کا سبق آموز شعر ملاحظہ ہو ؎

اے برادر چو عاقبت خاک ست
خاک شو پیش ازانکہ خاک شوی

اے بھائی! جب انجام مٹی ہی ہے تو تو مٹی ہونے سے پہلے ہی مٹی ہو جا۔

ایک پہلوان جسے گالی دی گئی تھی

کسی اہلِ دل نے ایک پہلوان کو دیکھا۔ بپھرا ہوا اور مُنہ سے جھاگ بہتا ہوا۔ اہلِ دل نے پوچھا اِسے کیا ہوا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا فلاں شخص نے اسے گالی دی ہے۔ بزرگ نے کہا ــــ یہ ذلیل شخص منوں وزن تو اُٹھا لیتا ہے مگر ایک بات سننے کی طاقت نہیں

لاف سرپنجگی و دعویٰ مردی بگذار
عاجز نفس فرومایہ چہ مردے چہ زنے

تو قوت اور طاقت کی لاف زنی نہ کر اور مردانگی

کے دعویٰ سے باز رہ۔ جو شخص ذلیل نفس کے سامنے عاجز ہے وہ کیا مرد اور کیا عورت یکساں ہیں۔

گرت ز دست برآید دہنی شیریں کن
مردے آں نیست کہ مشتے بزنی بر دہن

اگر تجھ سے ہو سکے تو کسی کا مُنہ میٹھا کر۔ مردانگی یہ نہیں کہ تُو کسی کے مُنہ پر تھپڑ مارے۔

قطعہ

۵ اگر خود برد رد پیشانی پیل
نہ مرد است آنکہ در وے مردمی نیست

اگر کوئی ہاتھی کا ماتھا بھی چیر ڈالے تو بھی وہ مرد نہیں کہلا سکتا جب تک اُس میں مروّت نہ ہو۔

۵ بنی آدم سرشت از خاک دارد
اگر خاکے نباشد آدمی نیست

(یاد رکھو) بنی آدم کی سرشت مٹی پر ہے۔ اگر کوئی مٹی نہ بنے تو وہ آدمی ہی نہیں ہے۔

کامیابی کا راز

"میری اخبار بینی اور اخبار نویسی کی زندگی میں مجھے کامیاب بنانے کے لئے ایک اَور بات نے بڑا پارٹ ادا کیا، مَیں پانچویں جماعت تک پڑھا، پنجاب کا رہنے والا سکھ، اُردو زبان کے جاننے کا جن میں سوال ہی نہیں۔ زندگی بھر محنت کر کے زبان کو سیکھا۔ پنجاب کے متعدد روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات کو ایڈٹ کرتا رہا اور دہلی جیسے اُردو کے مرکز سے اُردو زبان میں ایسا کامیاب اخبار جاری رکھا جس کی نظیر بھی اُردو جرنلزم میں نہیں مل سکتی۔ مگر ایمانداری کے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ مَیں اب تک اپنے آپ کو نالائق سمجھتا ہوں اور جب کبھی دوستوں میں ذکر آتا ہے تو مذاقاً یہی کہتا ہوں کہ بارہ برس دہلی میں رہے مگر بھاڑ جھونکتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر میرے ذہن کی یہ کیفیت (یعنی اپنے آپکو ہمیشہ ایک طالبعلم سمجھنا، اپنی کامیابی کو کامیابی قرار نہ دینا اور کوشش میں دن رات مصروف رہنا) نہ ہوتی اور مَیں اپنے آپکو لائق سمجھتا تو آج اخبار "ریاست" کو چلانے کی جگہ کسی ہسپتال میں بوتلیں دھونے کا کام کرتا جو لوگ کامیاب ہونا چاہتے ہیں کبھی اپنے آپ کو اس فن میں لائق نہ سمجھیں، ہمیشہ نالائق تصور کرتے ہوئے اور زیادہ سیکھنے کی کوشش کریں اور ایسا عشق پیدا کریں جیسا کہ لٹریچر اور اخبارات کے ساتھ ایڈیٹر "ریاست" نے زندگی بھر کے لئے رکھا۔"

(دیوان سنگھ مفتون از ناقابلِ فراموش صفحہ ۲۸)

آپ نے کیا پڑھا؟

"خالد" خدام الاحمدیہ کا ترجمان ہے آپ کی تخلیقات اس کی جان ہیں۔ اس بار خالد میں آپ نے کیا چیز زیادہ دلچسپی سے پڑھی! براہِ کرم مطلع فرمائیے تاکہ ہم آپ کی آراء کی مدد سے خالد میں مزید اصلاح کر سکیں۔

تلاش

(جناب ڈاکٹر پرویز پروازی۔ ربوہ)

زمیں زمیں اسے ڈھونڈوں فلک فلک دیکھوں
بشر بشر اسے چاہوں، مَلک مَلک دیکھوں

صدف صدف اسے رولوں، قلم قلم لکھوں
مَیں اشک اشک اسے روؤں پلک پلک دیکھوں

مَیں پھول پھول اسے سونگھوں مَیں خار خار پھروں
حسیں حسیں اسے جھانکوں جھلک جھلک دیکھوں

مَیں ذہن ذہن اسے سوچوں خلش خلش جھیلوں
مَیں جام جام سے چھلکوں چھلک چھلک دیکھوں

ورق ورق اسے پلٹوں نفس نفس چُوموں
مَیں چشم چشم سے ڈھلکوں ڈھلک ڈھلک دیکھوں

وہ اپنے وقت پہ آیا تھا اب نہ آئے گا
اب اس کا رستہ قیامت کے دن تلک دیکھوں

رہبرِ کاملؐ

اُس کے آگے رکھ دیا جس نے دیا تھا دل مجھے
اور دُنیا میں ملا کوئی نہ اِس قابل مجھے

ہاں وہی معصوم سا دل جس کو دُنیا کے حسیں
لُوٹنے کی تاک میں تھے دیکھ کر غافل مجھے

اُس بہارِ حُسن کی نظرِ عنایت ہو گئی
آ گیا آسان کر لینا ہر اِک مشکل مجھے

دشتِ ظلمت میں پھرتا رہا ہوں آج تک
اب دکھاتا ہے وہ خود ہر گام رہِ منزل مجھے

جس کے انوارِ نبوّت سے ہے روشن کائنات
مل گیا وہ پیشوا وہ رہبرِ کامل مجھے

واسطہ تجھ کو محمد مصطفیٰؐ کے پیار کا
اپنے بندوں میں ہی رکھنا تا ابد شامل مجھے

راہ میں تیرے تو دوزخ بھی مجھے منظور ہے
اِس سے ہو جائے رضا تیری اگر حاصل مجھے

(محمد صدیق امرتسری سابق مبلغ مغربی افریقہ و جزائر فجی)

تحقیقی مقالہ

سانپ — چند حقائق

(قسط سوم)

جناب پروفیسر محمد شریف خان - ربوہ

تولید و تناسل:-

نر اور مادہ سانپ الگ الگ ہوتے ہیں۔ صرف ناگ جوڑوں کی شکل میں رہتے ہیں وہ بھی کچھ عرصہ کے لئے۔ تولید کے دنوں میں مادہ اپنے جسم سے ایک بُو خارج کرتی ہے۔ نر بُو سونگھ کر مادہ کا پیچھا کرتے ہیں۔ مختلف سانپوں میں یہ بُو مختلف ہوتی ہے جس کی بناء پر ہر قسم کا سانپ اپنی ہی قبیل کی مادہ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اس کے بعد تناسلی تعلق سے قبل اکثر سانپ خاص قسم کی حرکات کرتے ہیں جنہیں "تولیدی ناچ" کہا جاتا ہے۔ تولیدی موسم میں دو نر سانپ مادہ سانپ کو حاصل کرنے کے لئے لڑائی کرتے ہیں۔ یہ اپنے جسم ایک دوسرے کے گرد لپیٹ لیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدمقابل کو غیر توازن کر دیں۔ اس "کشتی" کے دوران پھنکار یا کاٹنے کا عمل نہیں ہوتا۔ ایسی زور آزمائی ہوتی ہے کہ کمزور کو بھاگنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اکثر سانپوں میں تولیدی موسم سرمائی نیند کے فوراً بعد موسم بہار میں شروع ہو جاتا ہے لیکن کچھ سانپ سرمائی نیند سے قبل اس عمل میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

نر کے آلاتِ تناسل دو ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں ایک استعمال ہوتا ہے۔ اکثر سانپ انڈے دیتے ہیں لیکن بعض بچے جنتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی مادہ نے انڈے یا بچے جننے ہوں تو کسی محفوظ اور گرم جگہ کا انتخاب کرتی ہے۔ اور انڈے دے کر چلتی بنتی ہے۔ لیکن بعض سانپوں اور اژدھوں میں مادہ اپنے انڈوں کے گرد کنڈلی مارے بیٹھی رہتی ہے۔ انڈوں کو سینے کی غرض سے نہیں بلکہ اُن کی حفاظت کی خاطر!

ایسے سانپ جو انڈے [illegible] چلتے بنتے ہیں اُن میں انڈوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ۲۰۰ سے لیکر ۵۰۰ تک۔ کیونکہ غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے بہت سے انڈے اور بچے دوسرے جانوروں کی خوراک بن جاتے ہیں اور بہت تھوڑے نسل کی بقاء کے لئے بچ جاتے ہیں جبکہ انڈوں اور بچوں کی حفاظت کرنے والے سانپ کم انڈے دیتے ہیں کیونکہ اُن میں دشمنوں سے بچ نکلنے کے

امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ عام طور دیکھا گیا ہے کہ بہت سے مختلف اقسام کے سانپ ایک ہی جگہ کا انتخاب انڈے دینے کے لئے کرتے ہیں چنانچہ اکثر اوقات ایسی "عوامی" جگہیں دیکھنے میں آتی ہیں جہاں بے شمار انڈے پڑے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ انڈے ایک سانپ کے نہیں ہو سکتے۔ ایسی "عوامی" جگہوں کو "سانپ کی بھٹ" کہا جاتا ہے۔ بعض قسم کے سانپ انڈے دینے کے لئے گھونسلا بناتے ہیں۔ چنانچہ ناگ سانپ گلی سڑی سبزی کا ڈھیر اکٹھا کرتا ہے اور اس کی دو منزلیں بناتا ہے۔ سبزی کے نیچے جگہ بنا کر اس میں انڈے دیتا ہے اور مادہ سبزی کے اوپر دوسری منزل میں بیٹھی ان کی حفاظت کرتی ہے۔ سبزی کے گلنے سڑنے سے جو گرمی پیدا ہوتی ہے اس سے انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں۔

سانپ کے انڈوں سے بچے نکلنے کا وقت ہر قبیل کے سانپوں میں مختلف ہے اور ایسا ہی مشاہدہ میں آیا ہے۔

چنانچہ ان انڈوں میں بچے اپنی تمام نشوونما مکمل کر کے دو تین ماہ میں نکل آتے ہیں جبکہ وہ سانپ جو عمل تولید کے دو تین ماہ بعد انڈے دیتے ہیں اُن میں جتنا عرصہ انڈے پیٹ میں رہتے ہیں اُن کی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔ جب انڈے باہر آجاتے ہیں تو تین چار دن کے بعد انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح عمل تولید کے بعد بچے

نکلنے کا وقفہ سب سانپوں میں تقریباً ایک جیسا ہوتا ہے۔

یہاں یہ ایک بات دلچسپ ہے کہ وہ سانپ جو عمل تولید کے بعد جلد انڈے دے دیتے ہیں ان کے انڈوں کے خول سخت ہوتے ہیں تاکہ وہ موسموں کے تغیر و تبدل اور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہیں کیونکہ ان انڈوں نے کافی عرصہ ماحول کی سختیاں برداشت کرنی ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس وہ سانپ جو دیر سے انڈے دیتے ہیں ان کے انڈوں کے خول نرم جھلی کی طرح ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے اسی صورت میں تھوڑا عرصہ جسم سے باہر رہنا ہوتا ہے۔

انڈے میں نشوونما پاتے ہوئے بچے کے لئے خوراک اور پانی (زردی اور سفیدی) کا وافر ذخیرہ انڈے کے اندر ہی ہوتا ہے۔ صرف اُسے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے جو انڈے کے خول میں چھوٹے چھوٹے سوراخوں کے ذریعہ بہم پہنچائی جاتی ہے۔ جب بچہ انڈے سے نکلنے والا ہوتا ہے تو اس کی تھوتھنی پر ایک چھوٹا سا اُبھار "انڈے کا دانت" جس کی ایک سطح بلیڈ کی طرح تیز ہوتی ہے پیدا ہوجاتا ہے۔ جس سے بچہ انڈے کا خول چیر دیتا ہے اور سوراخ بنا لیتا ہے۔ بچہ بعض اوقات خول میں ہی تقریباً سارا دن پڑا رہتا ہے پھر کہیں جاکر باہر نکلتا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ جو بچے ماں کے پیٹ میں نمو پاتے ہیں اُن میں بھی "انڈے کا دانت" پایا جاتا ہے۔

نفع ہی نفع

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"پس میں تم کو سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا کے سوا جس چیز کی انسان خواہش ظاہر کرتا ہے نہ وہ اُس کو ملتی ہے نہ خدا کیونکہ اس کے سوا ہر ایک چیز فانی ہے لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کو پسند کرتا ہے اُس کو خدا بھی ملتا ہے اور دوسری چیزیں بھی ملتی ہیں اور اس کی جو خواہش ہوتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔"

(ملفوظات جلد دہم صـ ۳۳۳)

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بھی بچہ انڈے کے خول کے اندر نشوونما پاتا ہے۔ بچے کو انڈے کا خول توڑ کر باہر آنا پڑتا ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا قد اور حجم انڈے کی لمبائی چوڑائی سے کسی طرح بھی لگا نہیں کھاتا۔ یہ یقین بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ۳ سنٹی میٹر لمبے انڈے میں ۱۵ یا ۱۷ سنٹی میٹر لمبا بچہ سما سکتا ہے۔

سانپوں کی کوئی بھی قبیل اپنے بچوں کی پرداخت نہیں کرتی۔ چنانچہ بچے اپنے ماں باپ کی شفقت سے محروم جدھر منہ اُٹھتا ہے اپنے

ماحول کے رحم و کرم پر چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اپنی اس طرح کی زندگی کے دوران بچہ اپنا دفاع کرنے اور خوراک حاصل کرنے کے گُر خود سیکھتا ہے۔

وہ سانپ جو بچے جنتے ہیں دراصل وہ بجائے انڈہ باہر دینے کے جسم کے اندر ہی رکھتے ہیں۔ جہاں بچہ اپنی خوراک انڈے میں موجود ذخیرہ خوراک سے حاصل کرتا ہے اور جب اپنی نمو پوری کر لیتا ہے تو ماں کے پیٹ سے باہر نکل آتا ہے۔ اس تمام عمل کے دوران ماں اور بچے کا تعلق وہ نہیں ہوتا جو دودھ پلانے والے جانوروں میں "آنول" سے پیدا ہوتا ہے۔ بچے جننے کا وصف سانپ کی نسل کی بقا کے لئے بہت اہم ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض سانپ ایک جھول میں ستر بچے جنتے ہیں۔

پیدائش کے بعد سانپ تیزی سے قد میں بڑھتا ہے۔ پہلا سال پیدائش کا سال ہوتا ہے۔ عام طور پر موسم گرما کے آخر میں پیدا ہونے والے بچوں کیلئے جلد ہی "سرمائی نیند" طاری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے پہلے سال قد میں قابل قدر اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اگلا سارا سال کھانے پینے میں گزرتا ہے اور خوب نمو ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض سانپ اپنی پیدائش کے قد سے دوگنے یا تین گنے لمبے ہو جاتے ہیں۔ دوسرے جانوروں کے برعکس جن میں جوانی کے بعد نمو ختم ہو جاتی ہے۔ سانپ ساری عمر قد میں بڑھتا رہتا ہے۔ سانپ میں قد کا بڑھنا خوراک اور پُرسکون ماحول پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ مختلف سانپ مختلف عرصہ میں جنسی جوانی تک پہنچتے ہیں۔ کچھ ایک سال میں، کچھ دو سے چار سال میں۔ سانپ کی طبعی عمر کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ کسی سانپ کو اس کے طبعی ماحول میں ساری عمر زیر مطالعہ نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن چڑیا گھروں میں جو ریکارڈ محفوظ رکھے گئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناگ ۲۹۔۳۰ سال تک، کوڑیالہ ۸۔۹ سال اور پھنیر سانپ ۱۸۔۱۹ سال تک زندہ رہتا ہے۔ لیکن قدرتی ماحول میں جہاں گھڑی گھڑی گزارنا خطرہ سے خالی نہیں، نت نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ زندگی یقیناً مختصر ہو گی۔

سانپ کی زندگی کے اس مختصر جائزے کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حقائق کو سامنے

رکھتے ہوئے ہم اندازہ لگائیں کہ سانپ عام جانوروں کی طرح بیکس اور مجبور جانور ہے۔ اس کی تمام حرکات اس کی زندگی کی بقا کے لئے ہیں۔ کیوں نہ دوسرے جانوروں کی طرح سانپوں کو بھی اس قدرتی عطیّے کے دفاع کا پورا پورا حق ہو۔ اپنے اِس حق کو حاصل کرنے کے لئے یہ اپنی تمام طاقتوں کو استعمال کرتے ہیں اور انہیں کوئی غیر مرئی طاقت حاصل نہیں ہوتی لیکن توہم پرست انسان نے اپنی مطلب براری کیلئے اپنی ہی قبیل کو مختلف بناوٹی کہانیاں سُنا سُنا کر جانوروں کے اس حسین گروہ سے متنفر اور بیزار کر دیا ہے۔ بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور سانپ ایک دوسرے کی ضد ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ سانپ بہت مفید جانور ہے۔ یہ دوسرے مضرت رساں جانوروں مثلاً کیڑے مکوڑے، چوہے چھچھوندریں وغیرہ کھاتا ہے اور ہمارے ماحول کو پاک و صاف رکھتا ہے۔

آئیے سانپ پکڑیں:۔

سانپ کو پکڑنا اتنا ہی آسان ہے جیسے کسی اور جانور کو پکڑنا اور قابو کرنا۔ ہر جانور قدرتی طور پر دوسرے جانور سے خوف محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ آپ نے مختلف جانوروں میں اس کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ اگر کسی جانور کو یہ یقین ہو جائے کہ مجھے دوسرے جانور سے نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں تو

اس طرح دو مختلف جانوروں میں دوستی ہو جاتی ہے آپ اکثر سرکس میں مختلف عادات کے مالک جانوروں کو ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہوتے دیکھا ہوگا یہ اسی خود اعتمادی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی طرح منہ زور گھوڑے کو اچھا شاہسوار رام کر لیتا ہے۔ چنانچہ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر اگر سامنے موجود سانپ تک رسائی حاصل کی جائے اور خود اعتمادی، یقین اور بے خوفی سے آہستہ آہستہ سانپ تک پہنچا جائے تو سانپ کو آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عمل کے لئے سب سے پہلے سانپ کا ڈر دل سے نکالنا پڑتا ہے جیسے ایک عام آدمی دوڑتے ہوئے بیل، بھینس اور گدھے کے قریب جانے سے ڈرتا ہے مگر ایک واقف آدمی بآسانی ان جانوروں کو قابو میں کر لیتا ہے۔ اس عمل کے دوران پیار، پچکار اور مخصوص آوازیں نکالنی پڑتی ہیں تاکہ متعلقہ جانوروں میں ہمارے متعلق اچھے جذبات پیدا ہوں اور وہ ہمیں دشمن نہ خیال کرے۔ اسی طرح سانپ کو آرام سے آہستہ آہستہ چل کر قریب سے ہاتھ کی مدد سے سر کے نیچے سے پکڑنا چاہیئے۔ دوسرے جانوروں کی طرح سانپ بھی دوست کو پہچانتا ہے۔ لیکن سانپ میں اعتماد پیدا کرنے میں وقت لگے گا لیکن آخر کار پیار کی فتح ہو گی اور آپ سانپ پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

چنانچہ بہتر ہو گا ڈر دور کرنے کے لئے
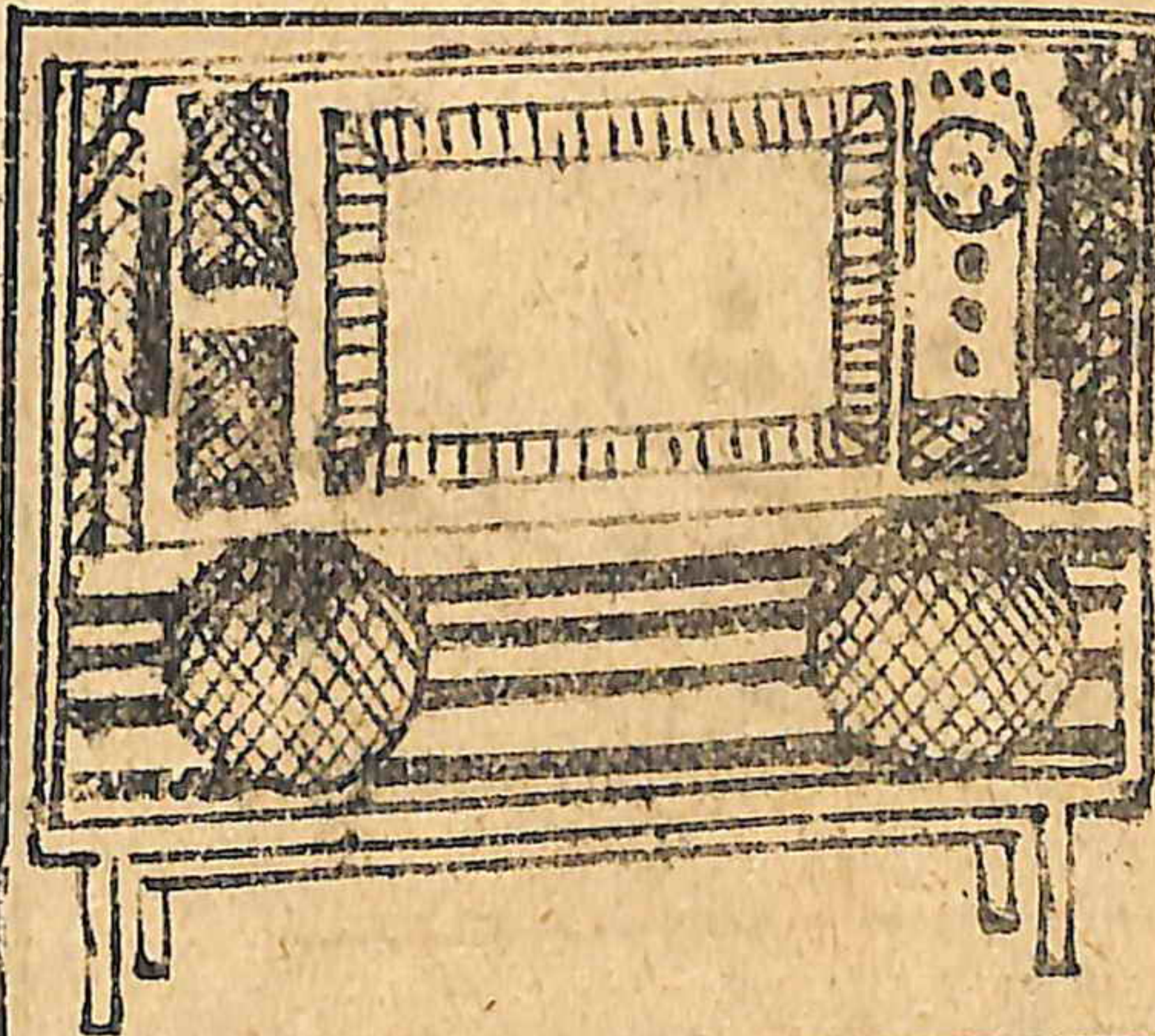
آپ چھوٹے غیر زہریلے سانپوں کو پہلے پکڑنا سیکھیں۔ یہ آپ میں خود اعتمادی اور شوق پیدا کرے گا۔ اور آپ آہستہ آہستہ بڑے غیر زہریلے سانپ پکڑنے شروع کر دیں گے اور اس طرح زہریلے سانپوں سے بھی آپ نہیں ڈریں گے۔ بہر حال زہریلے سانپ سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ سانپ پکڑنے والوں کی ڈسے جانے سے ہی موت واقع ہوتی ہے۔ لیکن یاد رکھیے کہ زہریلے سے زہریلا سانپ بھی پالتو جانوروں کی طرح پالا جا سکتا ہے۔

چنانچہ زہریلا سانپ پکڑتے وقت بہت احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک لکڑی کے آگے کپڑا باندھ لیا جاتا ہے اور اُسے سانپ کے آگے بار بار کیا جاتا ہے جس سے سانپ کو پکڑنے والے کا ڈر کچھ نہ کچھ اُتر جاتا ہے۔ ساتھ ہی بہت سا زہر ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر ایک مضبوط لکڑی سے گردن دبا کر اُسے پکڑ لیا جاتا ہے اور اُسے اونچا اُٹھا کر کسی مضبوط تھیلے میں جس میں کوئی سوراخ نہ ہو دُم پہلے اور سر بعد میں کے اصول کے مطابق ڈال دیا جاتا ہے۔ اور تھیلے کو مضبوطی سے باندھ دیا جاتا ہے۔

سانپ دو تین دن میں اپنے نئے ماحول کا عادی ہو جاتا ہے اور پالتو جانور کی طرح رکھا جا سکتا ہے ⁂

غزل

اشک ایسے ہیں غم اسیروں کے
جیسے کشکول ہوں فقیروں کے

کس لئے ہم نے معذرت چاہی
ہم تو خوگر ہیں ایسے تیروں کے

ہم غریبوں کی آنکھ میں آنسو
آئینے درد کے سفیروں کے

بچے اب بھی خلوص رکھتے ہیں
حوصلے دیکھ ان شریروں کے

زندگی دھوپ میں کھڑی دیوار
جس پہ کچھ سائے ہم صفیروں کے

نقش بر آب ہیں کہاں جائیں
دُور تک سلسلے جزیروں کے

آتش غم سے بھی نہیں جلتے
کیا دیئے بجھ گئے ضمیروں کے

شعر میرے وہ سمجھیں کیا عابد
وہ تمنائی موتی ہیروں کے

(مبارک احمد عابد)

شاہراہ قراقرم

انسانی جدّوجہد کی ایک داستان

(مکرم ملک محمود احمد۔ راولپنڈی صدر)

۲۰ سال کے طویل عرصہ میں پاکستان اور چین کو ملانے والی شاہراہ کی تعمیر کوئی آسان کام نہیں تھا۔ صرف معاشرتی، مالی اور فنّی مشکلات ہی پاکستان کے انتہائی شمال میں تعمیر ہونے والی اس سڑک کی تعمیر کے راستے میں حائل نہ تھیں بلکہ انسانی جرأت وہمت کے اس شاہکار کی تعمیر میں اور بہت سی مشکلات بھی حائل تھیں۔ یہاں تک کہ بہت سی قیمتی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑا۔

جانوں کا نذرانہ

کبھی تو یوں ہوا کہ ہزاروں فٹ بلند پہاڑی چٹانوں کے ساتھ رسّوں کے سہارے بندھے ہوئے معماروں اور مزدوروں نے چٹان کو توڑنے پھوڑنے کی غرض سے اس میں سوراخ کر کے بارود کو آگ جو دکھائی تو چٹان کے ساتھ بیسیوں کی تعداد میں انسانوں کے بھی پرخچے اڑ گئے اور وہ نیچے تیز بہتے ہوئے دریا کی لہروں کی نذر ہو گئے۔ اور کبھی آسمانی آفات نے ہمت وجرأت کے ان پیکروں کا یوں امتحان لیا کہ "پٹن" کے علاقہ میں زلزلہ آیا اور سڑک کی تعمیر کرنے والے متعدد کاریگر بھی لقمۂ اجل بن گئے۔ ان میں پاکستانی بھی تھے اور چینی بھی لیکن پاکستانیوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ اسلام آباد سے چینی سرحد تک اس سڑک کی لمبائی ۷۹۴ میل بنتی ہے اور سرکاری اعداد وشمار کے مطابق سڑک کی تعمیر کے دوران مرنے والوں کی کل تعداد ۴۰۰ سے زائد ہے۔ گویا اس سڑک کے تقریباً ہر میل کی تعمیر نے ایک انسانی جان کا نذرانہ وصول کیا۔

مقامی مزاحمت

راستہ کی دشوار گزاری کے علاوہ شروع شروع میں اس علاقے کے لوگ بھی اس سڑک کی تعمیر میں مزاحم ہوئے۔ وہ کہتے یہ کون لوگ ہمارے علاقے کا سکون غارت کرنے آ گئے ہیں۔ پہلے ہی ہمارے پاس زراعت کے لئے زمینیں محدود ہیں یہ اب ان زمینوں کو بھی تباہ کر دیں گے "یاغستانی" کہلانے والے یہ کوہستانی لوگ ایک بار تو مسلّح مزاحمت پر بھی

اُتر آتے۔ ویسے یہ لوگ سادہ مزاج تھے۔ جب بھی اس عظیم شاہراہ کی تعمیر میں یہ روک بنتے تو نمک اور سگریٹ جیسے تحائف سے مان بھی جاتے۔ سڑک کی تعمیر کے لئے مقامی آبادی کے مزدوروں کو بھی شامل کیا گیا۔ انہیں اس طرف راغب کرنے کیلئے بہت محنت کرنا پڑی۔ انہیں "چائے" کا عادی بنایا گیا، مٹی کے تیل، چینی اور سلے سلائے کپڑوں سے متعارف کروایا گیا۔ اور پھر کہا گیا کہ "کام کرو گے تو یہ سب کچھ ملے گا"۔

ان کی سادگی اور جہالت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے کبھی جیپ یا موٹر نہ دیکھی تھی۔ ۱۹۶۲ء میں جب سڑک کا ایک حصہ تعمیر ہوا اور جیپ پر فوجی افسر ایک گاؤں کے قریب پہنچے تو گاؤں کے چند لوگوں نے جیپ کے آگے پانی سے بھرا ہوا ایک گھڑا رکھ دیا کہ یہ "جانور" ایک دشوار گزار چڑھائی چڑھ کر آیا ہے اسے پیاس لگی ہوگی!

پاک چین متحدہ جدوجہد

اس شاہراہ کی تعمیر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کے دور میں پاکستانی فوجی ماہرین کی زیر نگرانی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے گلگت اور سوات کے درمیان سڑک کی پٹی کی تعمیر شروع کی گئی۔ اس ۲۵۰ میل لمبی پٹی کو بعد میں ایبٹ آباد سے ملا دیا گیا۔ شروع کے چند سال تو محض پاکستانی انجینئر اور جوان ہی ہمت و جرأت کی یہ تاریخ رقم کرتے رہے۔ لیکن بعد ازاں ہمارے دوست پڑوسی ملک چین کے ماہرین اور جوانوں نے بھی اس کام میں بھرپور حصہ لیا اور اس طرح بیس سال کی طویل جدوجہد کے بعد ۱۹۷۸ء میں جب اس کا باقاعدہ افتتاح عمل میں آیا تو بجا طور پر اسے ایشیا میں انجینئرنگ کا ایک عظیم شاہکار اور کارنامہ قرار دیا گیا کیونکہ یہ خطہ جس میں یہ سڑک تعمیر کی گئی دنیا کے انتہائی دشوار گزار پہاڑی سلسلوں میں سے ایک میں واقع ہے۔

سنگِ میل

اس سڑک کی تعمیر جہاں پاکستان کے لئے فوجی اہمیت رکھتی ہے وہاں معاشی اور معاشرتی

اعتبار سے وطنِ عزیز کے شمالی خطّے کے علاوہ ملک بھر کے لئے ایک سنگِ میل بھی ہے۔ شمالی علاقوں میں خدا تعالیٰ نے ملک کو جو معدنی ذخائر فراہم کئے ہیں اُن تک رسائی آسان ہو گئی۔ ان علاقوں میں نیلم، یاقوت، زمرد اور لعل جیسے قیمتی پتھروں کے علاوہ لوہے، تانبے، سیسے اور ابرق کے ذخائر کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اس کے علاوہ ان دُور دراز علاقوں میں رہنے والے ہمارے ہم وطن بھائی تعلیم اور ترقی کی شاہراہ پر باقی دُنیا کے ساتھ آگے قدم بڑھا سکیں گے۔

تاریخ

شاہراہِ قراقرم (جسے شاہراہِ ریشم بھی کہتے ہیں) کی تاریخ پُرانی ہے۔ اس راستے پر سکندرِ اعظم کے قدموں کے نشان بھی ہیں جو آج سے تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل اسی راستے ہندوستان میں داخل ہُوا تھا۔ کوئی ایک ہزار برس تک یہ راستہ چین سے ریشم، چائے اور چینی کے ظروف کی درآمد کے لئے استعمال ہوتا رہا اور اس کے عوض ہندوستان، ایشیائے کوچک اور یورپ سے اسی راستے سونا، ہیرے جواہرات، ہاتھی دانت کا سامان اور مسالے چین کو برآمد کئے جاتے رہے۔

مستقبل

نئی تعمیر شدہ شاہراہ تقریباً سارا سال آمد و رفت کے لئے کھلی رہتی ہے۔ جہاں انتہائی شمال میں یہ پاکستان اور چین کو ملاتی ہے وہاں یہ ہندوستان، افغانستان اور رُوس کی سرحدوں کے پاس سے بھی گزرتی ہے۔

دُنیا کا مستقبل روشن ہے۔ یہ بعید نہیں

کہ جب دُنیا میں امن و امان کا دَور دَورہ ہو گا، پڑوسی ملک ایک دوسرے کے دشمن نہیں بلکہ دوست اور ہمدرد اور مددگار ہوں گے تو اُس وقت شاہراہ ریشم ان سارے ہی پڑوسی ممالک کے درمیان باہم محبت اور دوستی بڑھانے کا موجب ہو گی اور تب اسے بجا طور پر "شاہراہ دوستی" کہا جا سکے گا۔

روشن دلیل

یہ دَور جس میں سے ہم گزر رہے ہیں، دُنیا کا ساتواں ہزار سال ہے اور یہ آخری ہزار سالہ دَور ہے۔ اِس آخری زمانہ سے متعلق قرآن کریم میں بہت سی پیشگوئیاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ اور یہ شاہراہ عظیم جس کا تذکرہ اُوپر کیا گیا ہے قرآن کریم اور اسلام کی صداقت کی بھی ایک بیّن دلیل ہے۔ پہاڑوں کے اُڑائے جانے اور انسانوں کے ملائے جانے کے علاوہ اس شاہراہ کی تعمیر سے اَور بھی کئی پیشگوئیاں روزِ روشن کی طرح پُوری ہوئیں۔ سوچنے اور غور و فکر کرنیوالوں کیلئے یہ شاہراہ اسلام کی حقانیت اور خدائے بزرگ و توانا کے جمال و جلال کی مظہر ہے۔ فسبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدُّک و لا الٰہ غیرک، اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وآلِ محمدٍ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ٭

ستائیسویں سالانہ تربیتی کلاس کی افتتاحی تقریب

مؤرخہ ۲۴ اپریل ۱۹۸۱ء بروز جمعۃ المبارک شام پونے چھ بجے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی ستائیسویں پندرہ روزہ سالانہ تربیتی کلاس اپنی روایات کے مطابق شروع ہو گئی۔ کلاس کا افتتاح محترم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر ناظم دار القضاء نے فرمایا۔

افتتاحی اجلاس کا آغاز صدرِ اجلاس کے ارشاد پر محترم حافظ برہان احمد خان صاحب جامعہ احمدیہ نے کیا۔ اسکے بعد تمام خدام نے کھڑے ہو کر صدر مجلس خدام الاحمدیہ کے ساتھ اپنا عہد دُہرایا۔ بعدہٗ رانا وسیم احمد صاحب ربوہ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا منظوم کلام پڑھ کر سُنایا۔ پھر ناظم اعلیٰ تربیتی کلاس محترم حافظ مظفر احمد صاحب مہتمم تربیت نے رپورٹ پیش کی جس میں کلاس کی اہمیت اور غرض و غایت کے علاوہ کلاس کے روزانہ پروگرام کی تفصیلات سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ اس کلاس میں شمولیت کیلئے اب تک ۳۰۵ مجالس کے ۵۴۴ نمائندہ خدام ربوہ پہنچ چکے ہیں۔ آخر میں محترم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر نے افتتاحی خطاب فرمایا اور اس میں آپنے حدیث شریف اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم کی روشنی میں صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین فرمائی نیز آپ نے خدام کو اپنے وقت کا صحیح استعمال کرتے ہوئے کلاس سے کماحقّہٗ استفادہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔

اس کے بعد آپنے دعا کروائی اور اس طرح سے افتتاحی اجلاس کی کارروائی ختم ہوئی ٭

ہاکی — کھیلنے کے دو انداز

(جناب کریم الدین احمد ربوہ)

دوسری کھیلوں کی طرح ہاکی بھی حکمتِ عملی سے کھیلی جاتی ہے۔ اس کے بنیادی طور پر دو مکاتب کھیل (SCHOOLS OF PLAYING) اس وقت مروج ہیں، ایک ایشیائی اور دوسرا یورپی۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے متضاد ہیں اور آپس میں قطعاً میل نہیں رکھتے، تاہم دونوں طریق ہی مختلف فوائد اور نقصانات رکھتے ہیں۔

ایشیائی طریق میں زیادہ زور حملہ کرنے پر دیا جاتا ہے۔ اس مکتبِ فکر کے احباب کے نزدیک ٹیم کی بناوٹ کچھ اس طرح ہونی چاہیئے کہ ٹیم ہر لحظہ حملہ کے لئے تیار رہے۔ چنانچہ اس طریق سے کھیلنے والی ٹیم کی بناوٹ اس طرح ہوتی ہے:-

پانچ فارورڈز
تین ہاف بیکز
دو فل بیکز
ایک گول کیپر

اس طریق سے کھیلنے والی اقوام میں پاکستان اور ہندوستان کی ٹیمیں سرفہرست ہیں اور اسی حکمتِ عملی کی بنا پر طویل عرصہ سے دنیا میں فتح کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں۔ گزشتہ چند دہائیوں میں جتنے بھی ٹورنامنٹ ہوئے کوئی بھی ایسا ٹورنامنٹ نہیں جس میں پہلی چار پوزیشنوں میں سے ایک پوزیشن ان دو ٹیموں میں سے کسی ایک کے حصہ میں نہ آئی ہو۔ اور عموماً دونوں ٹیمیں ہی ان چار میں سے پہلی دو پوزیشنوں پر دکھائی دیتی ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہندوستان پچھلے چند سالوں میں اپنا معیار برقرار نہیں رکھ سکا لیکن اب دوبارہ یہ ٹیم ایک مضبوط اور متوازن ٹیم کی حیثیت سے اُفق پر اُبھرتی دکھائی دے رہی ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس حکمتِ عملی کے تحت زیادہ زور حملہ پر صرف کیا جاتا ہے اور مخالف ٹیم کو مسلسل دباؤ میں رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلے سالوں میں جتنے بھی عظیم فارورڈ کھلاڑی پیدا ہوئے ہیں اُن کی اکثریت ان دو ملکوں سے تعلق رکھتی ہے۔

دوسرے اس حکمتِ عملی میں چھوٹے چھوٹے پاسز پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے جس سے کھیل میں ایک عجیب دلچسپی اور جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس یورپین طریق کھیل میں زیادہ توجہ دفاع اور وقتاً فوقتاً حملوں سے پینلٹی کارنر حاصل کر کے اُن سے گول کرنے پر دی جاتی ہے۔

اِس حکمتِ عملی سے کھیلنے والی ٹیموں کی بناوٹ عموماً یوں ہوتی ہے :-

چار فارورڈز
چار ہاف بیکز
دو فُل بیکز
ایک گول کیپر

اور کبھی کبھی ضرورت کے مطابق چار فُل بیک، اور دو ہاف بیک کی ترتیب بھی اختیار کر لی جاتی ہے۔

اِس حکمتِ عملی سے کھیلنے والی ٹیمیں عموماً لمبے لمبے پاسز اور اُونچے بال پھینک کر مخالف ٹیم کی دفاعی دیواروں میں شگاف پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اِس حکمتِ عملی سے کھیلنے والی اقوام میں ہالینڈ، جرمنی، سپین اور انگلینڈ کی ٹیمیں سرِ فہرست ہیں اور اِنہی اِسی حکمتِ عملی پر عمل کرتے ہوئے دُنیا میں اِس کھیل میں اپنی حیثیت منوا چکی ہیں۔ خاص طور پر ہالینڈ اور جرمنی ہر ٹورنامنٹ میں پاکستان اور ہندوستان کو مشکلات میں مبتلا کئے رکھتے ہیں۔

لیکن جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اِس طریق سے کھیلنے والی ٹیمیں دفاع پر زیادہ زور صرف کرتی ہیں اور پینلٹی کارنر پر گول کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔ چنانچہ اِس وقت تک دُنیا میں جتنے مایۂ ناز اور اعلیٰ دفاعی کھلاڑی اِس طریق سے کھیلنے والی ٹیموں نے مہیا کئے ہیں دوسری ٹیمیں نہیں کر سکیں۔ خاص طور پر گول کیپر اور فل بیکز۔ درحقیقت پینلٹی کارنر پر گول کرنے کی جتنی مہارت اِن ٹیموں کے کھلاڑیوں کو حاصل ہے اُس کا عشرِ عشیر بھی ہمارے (ہندوستانی اور پاکستانی) کھلاڑیوں میں نہیں ہے۔

ایک اَور ٹیم جو اِس وقت دُنیائے ہاکی میں تہلکہ مچائے ہوئے ہے وہ آسٹریلیا کی ٹیم ہے۔ لیکن اِس ٹیم کی پالیسی ایشیائی اور یورپی طریق کا امتزاج ہے۔ بوقتِ ضرورت ہر دو طریق سے کھیل لیتی ہے۔ کسی خاص طرز یا حکمتِ عملی کی چھاپ اِس ٹیم نے اپنے اُوپر نہیں لگنے دی لیکن ایشیائی حکمتِ عملی کا عنصر یورپی حکمتِ عملی کے عنصر سے نسبتاً زیادہ ہے ٭

مرتبہ:۔ محمود احمد اشرف

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ

اے میرے اہلِ وفا سُست کبھی گام نہ ہو!

اخبارِ مجالس

نوٹ:۔ مجالس سے درخواست ہے کہ وہ مختصر اور جامع رپورٹیں ارسال کیا کریں۔

● مجلس قصور نے مورخہ ۱۹ر فروری ۱۹۸۱ء کو دو روزہ تربیتی کلاس منعقد کی جس میں انعامی علمی مقابلہ جات کا اہتمام بھی کیا گیا۔ خدام و اطفال کی مجموعی حاضری ۲۰ رہی۔
(تاج محمود منگلا۔ ناظم اطفال)

● مجلس راولپنڈی صدر نے مکرم عظیم قریشی صاحب سابق قائد ضلع راولپنڈی کے اعزاز میں الوداعی تقریب کا اہتمام کیا۔ (منصور احمد منصوری)

● مجلس نواب شاہ نے مورخہ ۴ر مارچ ۱۹۸۱ء کو مکرم عبد القیوم صاحب کے اعزاز میں الوداعی تقریب منعقد کی۔ مکرم قیوم صاحب نصرت جہاں سکیم کے تحت بطور ٹیچر سیرالیون روانہ ہو رہے ہیں۔ (منور احمد قائد مجلس نواب شاہ)

● مجلس چک $\frac{184}{7.R}$ ضلع بہاولنگر نے ماہ فروری میں چار اہم وقارِ عمل کئے نیز مجلس کے تمام خدام پورا مہینہ مختلف دینی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ (ناصر احمد چیمہ ناظم اشاعت)

● مجلس لودھراں ضلع ملتان نے ۱۵ر فروری کو یک روزہ تربیتی کلاس منعقد کی جس میں تربیتی تقاریر کے علاوہ انعامی علمی مقابلہ جات بھی ہوئے۔ مکرم حافظ مظفر احمد صاحب بطور مرکزی نمائندہ کلاس میں شریک ہوئے۔ (ملک رشید احمد قائد مجلس)

● مجلس عاملہ مغلپورہ لاہور نے ۲۵ر فروری کو مکرم عبد العلیم صاحب طیب سابق قائد مجلس کے اعزاز میں الوداعی تقریب کا اہتمام کیا۔
(محمد انوار الحق ناظم اشاعت)

● مجلس دار الصدر جنوبی ربوہ نے مورخہ ۶ر مارچ کو نظم اور تقاریر کے مقابلہ جات کروائے۔
(ناصر احمد منتظم تعلیم)

● مجلس خدام الاحمدیہ باما پور نے ۲۰ر فروری ۱۹۸۱ء کو یوم مصلح موعود منایا جس میں پیشگوئی مصلح موعود کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔
(طارق محمود زاہد۔ ناظم اشاعت)

● مورخہ ۲۲ر مارچ ۱۹۸۱ء کو مجلس خدام الاحمدیہ

ٹیکسلا حلقہ فاروقیہ کے زیر اہتمام جلسہ "یوم حضرت بانی سلسلہ احمدیہ" کا انعقاد ہوا جس میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی سیرت پر تقاریر ہوئیں۔ اس جلسہ کی صدارت مکرم دین محمد صاحب شاہد مربی واہ کینٹ نے کی۔ (انوار احمد زعیم مجلس خدام الاحمدیہ ٹیکسلا)

• مؤرخہ ۲۳ مارچ کو مسجد احمدیہ کروڈنڈی میں اصلاح و ارشاد کے تحت جلسہ "یوم بانی سلسلہ احمدیہ" منعقد ہوا جس کی صدارت مکرم مولوی عبد المجید صاحب صدر جماعت احمدیہ کروڈنڈی نے کی۔
(ڈاکٹر میر احمد ناز ناظم اصلاح و ارشاد کروڈنڈی)

• مجلس خدام الاحمدیہ ملتان چھاؤنی نے ۱۲ر فروری کو یوم التبلیغ منایا۔ جس میں ایک سو کے قریب غیر از جماعت احباب کو احمدیت کا پیغام پہنچایا گیا۔ نیز ۲۶ر فروری کو مجلس انصار اللہ کی طرف سے ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا جس میں مرکزی نمائندگان حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب اور مکرم مولٰنا غلام باری صاحب سیف نے شرکت فرمائی۔

(بشارت اللہ نیر قائد مجلس ملتان چھاؤنی)

• مجلس خدام الاحمدیہ چک ۲۷۶ گ ب فیصل آباد نے مؤرخہ ۲۶ر مارچ سے ۲۸ر مارچ تک ایک وقار عمل کیا جس میں تقریباً ۲۰۰ فٹ لمبی سڑک ٹھیک کی گئی۔ اس میں ایک تقریباً ایک گز گہرا گڑھا تھا جس میں مٹی ڈال کر اس سڑک کی درستی کی گئی۔

(محمد اکرم نواز قائد مجلس خدام الاحمدیہ چک نمبر ۲۷۶ گ ب فیصل آباد)

• مجلس خدام الاحمدیہ ماریشس نے ۱۳ و ۱۴ دسمبر ۱۹۸۰ء کو دار السلام ہال روز ہل میں اپنا سالانہ اجتماع منعقد کیا۔ جس میں تمام برانچوں کے خدام نے شرکت کی۔

اجتماع کا پہلا اجلاس بتاریخ ۱۳ر دسمبر نماز ظہر و عصر کے بعد بوقت ڈیڑھ بجے بعد دوپہر منعقد ہوا۔ اس کی صدارت جناب مختار الدین صاحب تیجونے کی۔

اس اجلاس میں مختلف تربیتی اور روحانی تقاریر کے بعد حفظ و تلاوت قرآن مجید کا مقابلہ ہوا اور اس کے بعد جنرل نالج کا مقابلہ بھی ہوا اور پہلے اجلاس کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔ رات کے ۷½ بجے اجلاس دوم کی کارروائی شروع ہوئی اور اس میں مجلس سوال و جواب ہوئی۔

اس کے بعد "اسلام اسپین میں" کے موضوع پر مکرم مبارک سلطان غوث صاحب نے تقریر کی۔

۱۴ر دسمبر کو خدام نے مسجد دار السلام میں نماز تہجد ادا کی۔ نماز فجر کے بعد درس القرآن و ملفوظات ہوا اور ۹ بجے آخری اجلاس کا دوسرا حصہ شروع ہوا، جس میں تربیتی موضوعات پر تقاریر ہوئیں۔ اس دوران خدام نے بلڈ بنک میں جو کہ دار السلام ہال کے ساتھ ہے خون کا عطیہ بھی دیا۔

اس اجتماع کے لئے حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے پیغامات بھی موصول ہوئے جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مجلس خدام الاحمدیہ دار الصدر شرقی نے ۱۶ر اپریل اور دار الصدر جنوبی نے ۲۵ر اپریل کو نہر کے کنارے نہایت پُر لطف پکنک منائی۔

Monthly **KHALID** Rabwah

REGD. NO. L 5830

Editor : Mohammad Ilyas Munir

May 1981